بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ

اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں (یوسف ۱۰۶)

التحقیق فی جواب التقلید

مصنف

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اشاعت ________ ۱۰/

سال طباعت ________ ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴۱۷ھ

شائع کردہ

جماعت المسلمین

مرکزی مسجد المسلمین ، کھوکراپار ۲/۱ نمبر ، کراچی ، پاکستان ۔ فون ۴۰۷۵۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب بنام "تلاشِ حق" شائع کی گئی تھی۔ اُس پر تبصرہ فرماتے ہوئے ماہر القادری مدیر "فاران" کراچی ماہ جون ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں لکھتے ہیں :-

"یہ ایک تحریری مناظرہ ہے۔ سید مسعود احمد صاحب (بی۔ ایس سی) اور نواب محی الدین صاحب کے درمیان تقلیدِ شخصی اور دوسرے اختلافی مسائل پر خط و کتابت ہوتی ہے"۔ (فاران ص ۲۹)

ماہر القادری صاحب نے "تلاشِ حق" پر جو تبصرہ شائع کیا وہ کس قسم کا تھا اس کا اندازہ لگانے کے لئے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں :-

"اس کتاب (تلاشِ حق) میں اس قسم کی خرافات اور واہی تباہی کی خاصی تعداد ملتی ہے، اسے پڑھ کر یہ اندازہ ہوا کہ اس زمانہ میں جو ..

... "تلاش حق" کے مصنف (سید مسعود احمد صاحب) کا دینی مزاج رکھتے ہیں، وہ جہلِ مرکب میں مبتلا ہیں"۔ (فاران ص ۳۲)

ماہر القادری صاحب کے اس تبصرہ میں طعن و تشنیع تو ملتی ہے لیکن "تلاش حق" میں جو سوالات کیے گئے ہیں اُن کا جواب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔

ماہرالقادری صاحب کو اُن کے تبصرہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ایک خط ارسال کیا گیا تھا۔ موصوف نے اس خط کی اشاعت سے گریز کیا اور اُس کو ایک دیوبندی عالم کی خدمت میں بھیجدیا کہ اس کا جواب دیں۔ ماہرالقادری صاحب اس سلسلہ میں اپنے رسالہ "فاران" صـ۲۸ بابت مئی ۱۹۶۵ء میں رقمطراز ہیں کہ :۔

"اس خط کو ہم نے مولانا محمد تقی صاحب استاذ دارالعلوم کراچی کی خدمت میں بھیجدیا۔ مولانا موصوف نے ہماری درخواست پر علمی اور تدریسی مصروفیات کے باوجود ایک مفصل مقالہ تحریر فرمادیا اس مقالہ میں خط مذکور کے اہم سوالات کے جوابات آگئے ہیں۔"

خطِ مذکور جس کی اشاعت سے ماہرالقادری صاحب نے گریز فرمایا تھا اُس کے مضمون کا خلاصہ قارئین کے پیش خدمت ہے :۔

خط کے مضمون کا خلاصہ

"تلاشِ حق" پر مدیر فاران ماہرالقادری صاحب کا تبصرہ پڑھا۔ پڑھکر تعجب ہوا۔ تبصرہ کیا ہے تنقید ہے اور وہ بھی دلائل کے ذریعہ نہیں بلکہ تضحیک کے ذریعہ۔ فقہ کے مخترعہ مکروہ مسائل کو سہارا دینے کی ناکام کوشش تبصرہ نگار کے شایانِ شان نہیں۔

فاران ماہرالقادری صاحب لکھتے ہیں :۔

"ہمارے نزدیک نواب محی الدین صاحب حنفی تھے تو بھی وہ مسلمان تھے۔"

(فاران بابت ماہ جون ۱۹۶۶ء صـ۲۹)

جواب ماہرالقادری صاحب نے یہ ثابت نہیں کیا کہ مقلد مسلم ہوتا ہے۔ یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ حنفی تھے تو بھی مسلم تھے۔ تلاشِ حق میں اِس بات کو ثابت کیا گیا

ہے کہ تقلید شرک ہے لہٰذا حنفیت کی وجہ سے ایمان کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اللہ اور رسول کے خلاف فقہ کے مسائل کو ماننا، سُنّت کو بدل کر اُس کی جگہ مبتدعہ طریقہ کا رواج، اُمت میں چار فرقوں کا پیدا ہونا اور پھر ان میں جنگ و جدال تک نوبت پہنچنا، فقہار کے خود ساختہ مسائل کو شریعتِ الٰہیہ سمجھنا، حیلوں سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنا۔ کیا یہ نقصانِ دین و ایمان نہیں ؟

فاران "صراطِ مستقیم تو درسال اللہ کا نازل کیا ہوا دینِ اسلام ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ فقہی مذاہب اور مسلک اہلِ حدیث یہ اسی صراطِ مستقیم (دینِ حق) کے درمیان کی منزلیں اور کارواں سرائیں ہیں یا زیادہ سے زیادہ یوں کہہ دیجئے کہ پگ ڈنڈیاں ہیں جو اسی صراطِ مستقیم سے نکلی ہیں اور پھر اسی میں مل گئی ہیں۔ ان میں سے کوئی مسلک راہِ ضلالت نہیں۔" (فاران صـ۲۹)

جواب

اگر بقول ماہر القادری صاحب وہ سب اسی صراطِ مستقیم پر پھر آکر مل گئے ہیں تو پھر ان میں اختلافِ شدید اور جنگ و جدال تک نوبت کیوں پہنچی اور آج تک علیحدہ علیحدہ کیوں چلے آرہے ہیں۔ صراطِ مستقیم میں مل بھی گئے اور علیحدہ علیحدہ بھی ہیں، یہ عجیب ماجرا ہے۔

اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ مذاہب صراطِ مستقیم سے نکل کر پھر اسی میں مل گئے ہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ نکلے کیوں تھے ؟ سیدھے راستے کو چھوڑ کر پگڈنڈیوں پر چلنا اور پھر آگے جاکر سیدھے راستہ پر آکر مل جانا آخر اس سے فائدہ کیا مقصود ہے ؟

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے، کہ یہ پگڈنڈیاں مستقیم (سیدھی) ہیں یا منحنی (ٹیڑھی)؟ اگر مستقیم ہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک خطِ مستقیم دوسرے خطِ مستقیم کو دو جگہ قطع کرے جیومیٹری کا معمولی طالبِ علم بھی اس سے ناواقف نہ ہو گا۔ لہٰذا یہ پگڈنڈیاں کبھی بھی صراطِ مستقیم میں نہیں مل سکتیں۔ اور اگر یہ پگڈنڈیاں منحنی (ٹیڑھی) ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ یہ سیدھی راہیں نہیں ہیں لہٰذا صراطِ مستقیم بھی نہیں ہیں۔ تعجب ہے کہ ماہر القادری صاحب ان پگڈنڈیوں کو راہِ ہدایت سمجھتے ہیں حالانکہ حدیث میں ایسی چاروں پگڈنڈیوں کو گمراہی کے راستے قرار دیا گیا ہے۔ (رواہُ ابن ماجہ عن جابرؓ وسندہ صحیح)

دوسری حدیث میں ہے کہ ان میں سے ہر پگڈنڈی پر شیطان ہے جو (لوگوں کو) اپنی طرف بلاتا ہے۔ (رواہُ احمد عن عبداللہ بن مسعودؓ وسندہ صحیح)

اب ہم حدیث کی مانیں یا ماہر القادری صاحب کی؟

"تلاشِ حق" میں ہم نے لکھا تھا:-

"اب بتائیے ان فقہ کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہ سب مُنزّل من اللہ ہے؟ اگر ہے تو بسر و چشم قبول ہے اور اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اس کا اتباع حرام ہے۔" (تلاش حق صـ۳۶ وخلاصہ تلاش حق صـ۳۱)

تلاشِ حق کی مندرجہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہر القادری صاحب فرماتے ہیں:-

فاران "سید مسعود صاحب نے یہ کتنی ناسمجھی کی بات کہی ہے۔ قرآن کریم میں جو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ، اطاعت کے بعد یا اطاعت کے تحت 'اولوالامر' کی اطاعت کا حکم آیا ہے تو کیا 'اولوالامر' کی اتباع حرام ہے۔ تقلید کا جواز تو قرآن کریم کی اس آیت سے نکلتا ہے۔ (فاران صـ۳۰)

جواب تعجب ہے کہ ماہر صاحب نے اس آیت سے تقلید کا جواز ثابت کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت سے تو فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ معلوم نہیں ماہر صاحب نے اللہ کے حکم کو فرضیت سے ہٹا کر کس طرح جواز کے خانہ میں ڈال دیا۔

بے شک قرآن مجید میں 'اولوا الامر' کی اطاعت کا حکم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ اطاعت دینی امور میں ہے یا انتظامی اور سیاسی امور میں۔ اگر دینی امور میں ہے اور ان کا فرمان شرعی قانون کی حیثیت رکھتا ہے تو پھر ان سے اختلاف کی اجازت کیوں ہے، اور اولوا الامر سے اختلاف کے وقت اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم کیوں ہے؟ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ان کا فرمان شرعی قانون ہو پھر بھی اس سے اختلاف جائز، حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کا حکم دینی امور میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کو رد کیا جا سکتا ہے اور قرآن و حدیث سے تحقیق کر کے صحیح مسئلہ پر عمل کیا ہی نہیں جا سکتا بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ اور بموجب فرمان الٰہی فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرض ہے۔ آیت میں امیر سے اختلاف کرنا اور پھر تحقیق کر کے حق معلوم کرنا دونوں چیزیں موجود ہیں اور یہ دونوں چیزیں تقلید کی ضد ہیں۔ ماہر القادری صاحب کا اس کو تقلید کہنا اور اس آیت سے تقلید کی دلیل لینا دن کو رات کہنے کے مترادف ہے۔

اگر امیر کی اطاعت انتظامی و سیاسی امور میں ہے تو معاملہ صاف ہے کہ قوانینِ شرعیہ صرف احکامِ الٰہی ہیں جو بذریعہ وحی نازل ہوتے ہیں۔

پھر اس آیت میں امرار کی اطاعت کا ذکر ہے نہ کہ علمار کی اطاعت کا۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ اس سے علمار کی اطاعت ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو گا کہ ان چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا چاہیئے۔ دعوے

خاص کے لئے دلیلِ عام کافی نہیں ہوتی۔

فاران "اسی طرح فقہ کی کتابوں کے وہ مسائل جو کتاب و سنت کے مطابق ہیں یا ان سے متصادم و معارض نہیں ہیں اُن کی اتباع و تقلید جائز ہے، وہ حرام کیوں ہونے لگی" (فاران ص۳۰)

جواب اس سلسلہ میں پہلا سوال یہ ہے کہ جو مسائل کتاب و سنت کے مطابق ہیں اُن کی اطاعت صرف جائز کیوں ہے لازم کیوں نہیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ جو مسائل کتاب و سنت کے مطابق ہیں اُن کی اتباع تو کتاب و سنت کی اتباع ہے۔ کتاب و سنت کے مطابق تو ہر شخص کی بات واجب التعمیل ہے۔ اس میں ائمۂ کرام اور فقہاء کی کیا خصوصیت ہے؟ رہے وہ مسائل جو کتاب و سنت کے معارض ہیں تو ان کی اتباع آپ کے نزدیک بھی حرام ہے لیکن مقلد تو موافق، مخالف سب پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ہے تو بتائیے کہ کتاب و سنت کے مخالف مسائل پر عمل کرنے کو جائز سمجھنے اور اس عمل کو لازمی سمجھنے سے وہ کفر کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

اگر کتاب و سنت کے معارض مسائل پر عمل حرام ہے تو مقلد کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں فلاں مسائل معارض ہیں۔ کیا اس کو تحقیق کی اجازت ہے؟ اگر اجازت ہے تو پھر وہ مجتہد ہوا نہ کہ مقلد۔ اور اگر اجازت نہیں تو کتاب و سنت کے خلاف عمل ناگزیر ہے اور کیونکہ اس حرام فعل کا ارتکاب صرف تقلید کی وجہ سے ہوا لہٰذا تقلید حرام ہوئی اور حرام کو حلال یا واجب کہنا کفر ہے۔

ماہر القادری صاحب بات وہ کہیئے جو ائمہ اصول فقہ حنفیہ کے نزدیک مسلّم ہو۔ آپ حنفی مذہب کی حمایت میں وہ بات کہہ جاتے ہیں جو احناف کو تسلیم نہیں۔ تقلید کا جو مفہوم آپ لے رہے ہیں کیا درحقیقت فقہاء احناف بھی اس پر متفق ہیں؟

فاران | "فقہ کی کتابیں، منزل من اللہ کی شرح اور تفصیل ہیں۔"

(فاران ص ۳۰)

جواب | بہت خوب!

(۱) عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھیں اور مرد ناف کے نیچے۔ یہ کس منزل من اللہ حکم کی شرح ہے؟

(۲) نماز کی نیت زبان سے کی جائے۔ یہ کونسی آیت میں ہے؟

(۳) وتر ایک یا پانچ نہ پڑھے جائیں۔ یہ کس وحی میں ہے؟

(۴) جانور، مردہ عورت اور نابالغ لڑکی کی شرمگاہوں کو پلنگ کا سوراخ سمجھنا، یہ کس حدیث یا آیت کی شرح ہے؟ اس کو افلاس علم کہا جائے یا افلاس ایمان؟

(۵) اگر کوئی شخص جانور، مردہ عورت یا نابالغ لڑکی سے وطی کرے اور انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا۔ یہ کس حدیث میں ہے؟

الغرض اس قسم کے سینکڑوں مسائل ہیں جو گھڑے گئے ہیں، جن کا منزل من اللہ شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ کیا ایسے مسائل کو منزل من اللہ کی شرح کہا جا سکتا ہے؟

نوٹ :۔ ان مسائل کے حوالے صفحات ۱۰۶ و ۱۰۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

فاران | "دوسرے فقہی مذاہب کی طرح احناف بھی صلوٰۃ بالجماعت میں سورۂ فاتحہ کے قائل ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ امام کی قرأت سورۂ فاتحہ کو کافی سمجھتے ہیں۔" (فاران ص ۳۰)

جواب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مقتدیوں سے ہی یہ فرمایا تھا لَا تَقْرَءُوْا بِشَیْءٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ (وَفِیْ رِوَایَةٍ) فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ "جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو تم قرآن

میں سے کچھ نہ پڑھو سوائے سورۂ فاتحہ کے، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی" (ابو داؤد)
بتلایئے اس حدیث کی موجودگی میں امام کی قرأت کو مقتدیوں کے لئے کافی سمجھنا حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح خلاف ورزی ہے یا نہیں؟ اگر ہے، اور ضرور ہے تو کیا آیۂ کریمہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ ...... الخ کی روشنی میں اس فیصلہ کو نہ ماننا کفر ہے یا نہیں؟ اگر یہ کفر نہیں تو پھر آخر کفر کس چیز کا نام ہے؟ ہمارا تو وہی عقیدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ آپ کی آپ جانیں۔

فاران "احناف کا طریقِ نماز غلط نہیں"۔ (فاران ص۳۰)

جواب بے شک غلط ہے۔ اگر آپ صحیح سمجھتے ہیں تو براہ کرم مندرجہ ذیل باتوں کے صریح دلائل دیجئے:۔

(۱) احناف زبان سے نیت کرتے ہیں جو بدعت ہے۔
(۲) احناف نہ رکوع میں جاتے وقت رفع الیدین کرتے ہیں نہ
(۳) رکوع سے اُٹھ کر اور نہ
(۴) تیسری رکعت کی ابتدا میں۔

حالانکہ یہ رفع الیدین احادیث سے ثابت ہیں، ان کے خلاف کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں جس میں یہ صراحت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اُٹھ کر یا تیسری رکعت کی ابتدا میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ محض عدم ذکر کو عدم شے سمجھ لیا گیا ہے جو اصولاً غلط ہے۔

(۵) جلسۂ استراحت نہیں کرتے، حالانکہ یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کے خلاف محض قیاس ہے کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں۔

(۶) آخری قعدہ میں تورّک نہیں کرتے۔

(۷) فرضوں کی تیسری و چوتھی رکعت میں صرف خاموش کھڑا رہنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں بلکہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔
غرض یہ کہ اس قسم کی متعدد باتیں ہیں جو صریح خلافِ سُنّت بلکہ بدعت ہیں، لہٰذا حنفیوں کی نماز غلط ہے۔

فاران "تقلید میں شرک کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔" (فاران ص۳۰)

جواب اس بات کو تلاشِ حق میں مدلّل بیان کیا گیا ہے۔ کاش ماہر صاحب ان دلائل کا جواب دیتے۔

ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید بدعت ہے۔ اور بدعت دین میں اضافہ ہے۔ دین میں اضافہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تقلید کا اضافہ کرنے والے اور تقلید کو حق سمجھنے والے شرک فی الشریعت کے مرتکب ہیں۔
کسی انسان کو نمونۂ ہدایت و معیارِ حق بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، خود لوگوں کا کسی انسان کو نمونۂ ہدایت اور معیارِ حق بنا لینا اپنے آپ کو الوہیت کے منصب پر پہنچانا ہے۔ یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟
کوئی امام خطاء سے معصوم نہیں۔ کسی امام کی سو فیصدی باتیں صحیح نہیں ہو سکتیں لہٰذا کسی امام کی غلامی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالنے کے یہ معنٰی ہوئے کہ بغیر تحقیق کے اس کی بات مانے اور جو غلطیاں اُس نے کی ہیں اُن میں بھی اُسی کی مانے اور منزل من اللہ کی طرف رجوع نہ کرے، بلکہ رجوع کو جائز بھی نہ جانے۔ اگر یہ شرک و کفر نہیں تو آیۂ کریمہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبۃ ۳۱)
(انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو رب بنا لیا ہے) میں اور کونسا شرک مراد ہے؟
اللہ تعالیٰ نے تو صاف فرما دیا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ

الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ (شوریٰ ۲۱) (کیا اُنھوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لیے دینی قوانین بناتے ہیں جس کی اللہ تبارک و تعالےٰ نے اجازت نہیں دی) کیونکہ فقہ کے گھڑے ہوئے مسائل کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجازت نہیں لہٰذا ان کا ماننا شرک ہے اور یہ سب کچھ تقلید کا کرشمہ ہے۔ لہٰذا تقلید ہی اس شرک کی اصل ہے۔

فاران | "تقلید کو تو بدعت آپ کہتے ہیں۔ حدیث میں تو تقلید کو بدعت سے تعبیر نہیں کیا گیا" (فاران ص۳۱)

جواب | آج کل جتنی بدعات رائج ہیں کیا کسی حدیث میں اُن کو بدعات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو آپ اُن کو بدعت کیوں کہتے ہیں؟

تقلید اگر بدعت نہیں تو براہِ کرم اس کا سُنّت ہونا ثابت کیجئے یا کم ازکم عہدِ صحابہؓ و تابعین ہی میں اس کا وجود ثابت کیجئے۔ جواب دیتے وقت براہِ کرم تقلید کی جو تعریف اور اُس کے جو لوازمات کتبِ حنفیہ میں لکھے ہیں اُن کا لحاظ رکھیں تاکہ (۱) اُستادی شاگردی اور (۲) جاہل کا کسی بھی عالِم سے اللہ کا حُکم دریافت کرلینا تقلید کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائے۔

امامت کے شرائط پر بحث کرتے ہوئے ماہر القادری صاحب فرماتے ہیں:۔

فاران | "جس شخص کی بیوی خوبصورت ہوگی وہ نگاہ اور جنسی تصورات میں دوسروں سے زیادہ محتاط ہوگا کہ بیوی کے حسین ہونے کے سبب دوسری عورتوں کی طرف میلان کی اسے فکر و جستجو نہ ہوگی۔ بدصورت بیویوں کے شوہروں کو اچھے چہروں کی تشنگی سی رہتی ہے۔" (فاران ص۳۱)

جواب اوّل تو یہ کلیہ ہی غلط ہے کہ جس شخص کی بیوی خوبصورت ہوگی وہ سب سے زیادہ متقی ہوگا۔ تجربات اس کے خلاف ہیں لہٰذا یہ شرط باطل ہے۔ یہ بات کہ صرف بدصورت بیویوں کے شوہروں کو اچھے چہروں کی تشنگی رہتی ہے ماہر القادری صاحب کے تجربہ کے لحاظ سے صحیح ہو تو ہو۔

اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ اس مسئلہ کی بنیاد عقل پر ہے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ کسی فقیہ کی عقل کی پیداوار ہے اور یہی ہمارا کہنا ہے کہ اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوئے بلکہ لوگوں نے اپنی عقل سے گھڑ لئے ہیں۔ فرمائیے ہم نے کونسی غلط بیانی کی؟

اگر اس کے اندر بقول آپ کے

"باریک حکمت" تھی (فاران ص۳)

تو کیا اللہ تعالیٰ اس باریک حکمت سے ناواقف تھا (نعوذ باللہ) کہ اُس نے اس حکمت کو اپنے رسُول پر ظاہر نہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حکمت نازل کرنے کا بار بار ذکر فرماتا ہے اور اپنے دین کو کامل کرنے کا بھی اعلان فرماتا ہے لیکن حیرت ہے کہ نہ حکمت ہی کامل ہوئی نہ دین ہی کامل ہوا۔ یہ دونوں باتیں فقہائے مقلدین نے پوری کر کے اللہ تعالےٰ کا ہاتھ بٹایا۔ العیاذ باللہ۔

اگر عقل ہی کے ذریعے مسائل ڈھلنے لگیں تو پھر ہر عالم کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی عقل کے مُطابق جو چیز اس کو اسلام کے موافق نظر آئے اُس کو اسلامی فقہ میں داخل کر دے۔ کیا اس طرح سے مرتبہ فقہ جو مختلف لوگوں کی آراء اور قیاسات کا مجموعہ ہوگی اللہ کا دین کہی جا سکتی ہے یا اس کو انسانوں کی طرف منسوب کرنا ہوگا؟ کیا آپ لوگوں کا قلم اور زبان کی پُوری قوت کے ساتھ مسئلہ کو ایسی عجیب و غریب حکمت عملی سے بیان کرنا کہ سُننے والا اس کو

عین مطابق عقل سمجھے اور وہ یہ کہہ اُٹھے کہ واقعی اس مسئلہ میں بڑی پوشیدہ حکمت ہے
اس آیت کے ذیل میں تو نہیں آتا۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ٥ {آل عمران ۷۸}

(ترجمہ) اور ان لوگوں میں ایک فریق ایسا بھی ہے جس کے افراد کتاب کو بیان کرتے وقت زبان کو اس طرح گھماتے ہیں کہ تم یہ سمجھو کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ کتاب میں موجود ہے حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہوتا۔ اور کہتے ہیں یہ مسئلہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ پر افترا کرتے ہیں۔

فاران | "فقہی اجتہاد پر "گھڑنے" کی پھبتی چست کرنا طنز نگار کے افلاسِ علم و بصیرت کی دلیل ہے اور ان کو شرک کہنا زیادتی نہیں ظلم ہے۔"

(فاران ص۱۷)

جواب | قاضی کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتہاد کر کے کسی مقدمے کا فیصلہ کر دینا اس فیصلہ کو قانونِ شرعی کی حیثیت نہیں دیتا۔ وہ فیصلہ بالکل وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے فقہ کے مسائل کو ابدی قانون کی شکل دیدی گئی ہے اور ان کو اس طرح مدوّن کر دیا گیا ہے گویا وہ منزل من اللہ شریعت ہے۔ تمام مقلّدین کو ان مسائل پر عمل کرنا ہوتا ہے اور دلائل میں ان ہی کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ ان مسائل کو گھڑنے والے قاضی نہیں تھے کہ ان کو وقتی فیصلہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہو بلکہ ایسے لوگ تھے کہ جن کو سوائے اس کے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ خود ہی سوال گھڑنا اور خود ہی اس کا جواب گھڑنا۔

اور اس جواب کو اپنے فرقے کے لئے قانونِ شریعت کی شکل دیدینا۔ اگر یہ قانون سازی اور شریعت سازی شرک نہیں تو پھر آخر اسے کیا کہا جائے۔ شرک کو شرک کہنا اگر ظلم ہے تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ یہ کیسا فقہی اجتہاد ہے کہ حدیث میں کچھ ہے اور فقہ میں کچھ۔ صریح حدیث کے خلاف بھی مسائل وضع کئے گئے جو تحریف فی الدین کی بدترین مثال ہے۔ پھر ایسے مسائل بھی گھڑے گئے جن کا سر ہے نہ پیر۔ مثلاً مفقودالخبر کی بیوی ۹۰ سال یا ۱۲۰ سال خاوند کا انتظار کرے پھر نکاح کرے۔ سوتیلا لڑکا اگر اپنی سوتیلی ماں کو بدنیتی سے ہاتھ لگائے تو وہ اپنے شوہر پر حرام۔ لڑکی پر غلطی سے ہاتھ پڑ جائے تو بیوی حرام۔ کپڑا لپیٹ کر........ کرے تو........ غسل واجب نہ ہو۔ انگلی میں نجاست لگ جائے تو تین دفعہ چوسنے سے پاک ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ ملاحظہ ہو کتب فقہ و بہشتی زیور جس میں بقول ماہر القادری صاحب کے خاصی وزن دار باتیں ملتی ہیں۔

پھر شریعت کی بعض حرام کردہ چیزوں کو حیلے سے جائز کر دیا گیا۔ مثلاً عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا ازروئے حدیث جائز نہیں لیکن گاؤں والوں کے لئے اس کو جائز کر دیا گیا (حالانکہ یہ صریح تحریف ہے) پھر اسی پر بس نہیں بلکہ شہر والوں کے لئے بھی ایک حیلے سے اس کو جائز کر دیا گیا۔ اور وہ اس طرح کہ شہر والے اپنی قربانی کے جانور کو شہر کے باہر لیجا کر ذبح کریں اور پھر عیدگاہ چلے جائیں (ہدایہ)۔ کیا یہی فقہی اجتہادات ہیں جن کی پشت پناہی آپ کر رہے ہیں؟ کیا یہ شریعت میں تحریف نہیں؟ کیا یہ شریعت سازی نہیں؟ اگر شارع صرف اللہ ہے تو کیا یہ شریعت سازی شرک نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ {شوریٰ ۱۳} اللہ نے تمہارے لئے دینی شریعت بنائی ہے۔

فاران | اس قسم کا جاہلانہ عقیدہ رکھ کر صاحبِ اعتراض اپنے دین و ایمان کی خیر منائیں۔ ہزاروں اولیاء اللہ ہیں جو کسی نہ کسی فقہی مذہب سے

ضرور متعلق رہے ہیں تو کیا تقلید کے سبب اُن کو ہندو سادھوؤں کی صف میں شمار کیا جائے گا۔ کیا تقلید مسلمان کو دین سے خارج کر دیتی ہے۔ یہ کیا فکر ہے، کیا مزاج ہے، کیسی تحقیق ہے۔ توبہ استغفراللہ"

(فاران ص ۳۱)

جواب جب تقلید شرک ہے تو پھر ظاہر ہے کہ مقلد ولی نہیں ہو سکتا۔ بات صاف ہے آپ جو چاہیں کہیں۔ ایسے بہت سے ہیں جن کو زبردستی تقلید کی طرف منسوب کیا گیا ہے باوجود اس کے کہ وہ تقلید کی تردید بڑے شد و مد سے کرتے ہیں اور اس تردید سے ان کی کتابیں لبریز ہیں۔ مقلدین نے کب چاہا کہ کوئی شخص بھی دائرۂ تقلید سے باہر رہے۔ جو مقلد نہ تھا اُس کو بھی مقلد مشہور کیا۔ (خط کا مضمون ختم ہوا)

جناب ماہر القادری صاحب کی درخواست پر محمد تقی عثمانی صاحب نے متذکرہ بالا خط کے جواب میں جو مضمون بہ عنوان "تقلید کیا ہے" لکھا تھا وہ ہماری نظر سے گزرا جس کو ماہر القادری صاحب نے اپنے رسالہ "فاران" ماہ مئی ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ جناب عبدالسلام خاں صاحب نے یہ رسالہ امیر جماعت المسلمین مسعود احمد صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور ان سے درخواست کی کہ جناب والا اپنے ہفت روزہ درس حدیث میں اگر اس مضمون پر تبصرہ فرمائیں اور جو غلط فہمیاں عثمانی صاحب کو ہو گئی ہیں اُن کا ازالہ فرمائیں تو بڑی عنایت ہو گی۔ جناب مسعود احمد صاحب نے اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور درس حدیث کی مسلسل ونشستوں میں بڑی وضاحت اور قوی دلائل سے بحث کی۔ جناب موصوف نے جو کچھ بیان فرمایا

اس کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے قلم بند کر لیا گیا اور افادیتِ عامہ کے لئے شائع کر دیا گیا۔ اُمید ہے کہ حق پسند حضرات اس کے مطالعہ سے اپنے لئے صحیح راہِ عمل متعین کریں گے ۔ اس مضمون میں تقی عثمانی صاحب کے مقالہ کے اقتباسات کو " غلط فہمی " کا عنوان دیا گیا ہے اور جو وضاحت جناب مسعود احمد صاحب کی ہے اُس کو " ازالہ " کی سُرخی دی گئی ہے ۔

نوٹ ۱:۔ اس کتاب میں جہاں کہیں اللہ کے بجائے " خدا " کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ، وہ ہماری طرف سے نہیں ہے بلکہ جس کتاب یا مضمون سے ہم نے اقتباس نقل کیا ہے اس میں اسی طرح ہے ، ہم تو صرف ناقل ہیں۔ ہمارے نزدیک اللہ اسم ذات ہے ، اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا ، مزید برآں " خدا " کا لفظ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان بھی نہیں کیونکہ پارسیوں کے عقیدہ کے مُطابق دو خدا ہیں۔ ایک نیکی کا خدا ، دوسرا بدی کا خدا ۔ گویا ہر خدا ناقص ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نقص سے منزہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ " خدا " استعمال کرنا صحیح نہیں ۔

نوٹ ۲:۔ ابھی چند دن ہوئے تقی عثمانی صاحب نے اپنے مضمون " تقلید کیا ہے " کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے ۔ کتاب کا نام ہے " تقلید کی شرعی حیثیت " اس کتاب میں اُنہوں نے اصل مضمون میں کچھ اضافہ تو کیا ہے لیکن ہماری کتاب " التحقیق " میں وارد کردہ اعتراضات میں سے سوائے ایک اعتراض کے کسی اعتراض کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ باقی تمام اعتراضات انہیں تسلیم ہیں ۔ تقی صاحب کی اِس کتاب کے جواب کا مسودہ تیار ہے جسے الحمد للہ اب شائع کیا جا رہا ہے ۔

شعبۂ نشر و اشاعت جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلَّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

ایک صاحب نے مجھے فاران ماہ مئی ۱۹۶۵ء دیا ہے جس میں مولوی محمد تقی صاحب عثمانی کا ایک مضمون "تقلید کیا ہے" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اُن صاحب کی خواہش ہے کہ میں اس مضمون پر تبصرہ کروں۔

اس مضمون میں محمد تقی صاحب سے بہت سی غلط فہمیاں صادر ہوئی ہیں کیونکہ ان غلط فہمیوں سے مزید غلط فہمیوں کا اندیشہ ہے لہٰذا ان کے ازالہ کے لئے آج سے

میں اپنے تبصرہ کا آغاز کر رہا ہوں۔

جناب تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

غلط فہمی ہمارے لئے یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ جس چیز کو ہم آج تقلید کے نام سے موسوم کرتے ہیں اُس کے لئے سب سے پہلے کس عالم نے تقلید کا لفظ استعمال کیا ؟ لیکن اتنی بات ہم یقین کے ساتھ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس لفظ کی وجہ سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اگر اس کا علم پہلے سے ہو جاتا تو یہ حضرات اس کا نام تقلید ہرگز نہ رکھتے۔ (فاران ص۱۱)

ازالہ عبارت مذکورہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) لفظ تقلید کے موجد کا پتہ نہیں۔

(۲) لفظ "تقلید" کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔

نمبر (۱) کے سلسلہ میں تو ہمیں کچھ کہنا نہیں ہے، البتہ (۲) کے سلسلہ میں عرض ہے کہ لفظ تقلید سے غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اُس کے لوازمات اور نتائج کے باعث تقلید کو بُرا سمجھا گیا۔

غلط فہمی (تقلید) کے معنی کسی کی غلامی کا قلادہ پہن لینے کے ہیں۔ اگر اس کے لغوی معنی پر نظر کی جائے تو بلاشبہ کسی مجتہد و فقیہ کی تقلید ایک غلط سا نقشہ پیش کرتی ہے ..... ضروری نہیں کہ لغت میں جو معنی کسی لفظ کے لکھے ہوئے ہیں عرف و اصطلاح میں بھی وہی مُراد لئے جائیں۔ شاید یہی وہ نکتہ ہے جس کے پیش نظر نہ رہنے سے تقلید کے معاملہ میں غلط فہمیوں نے راہ پائی۔ بعض حضرات نے اسے شرک تک کی حدود میں داخل کر دیا اور اس طرح رائی کا ایک پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا۔ (ص۱۱)

ازالہ مذکورہ بالا عبارت سے تین نتیجے برآمد ہوئے۔

(۱) تقلید کا لغوی مفہوم غلط نقشہ پیش کرتا ہے۔

(۲) اسی غلط نقشہ کی بناء پر اسے شرک تک کہا گیا۔

(۳) تقلید کے اصطلاحی معنٰی غلط نقشہ پیش نہیں کرتے۔ لہٰذا اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے تقلید کو شرک میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

ان نتائج سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ تقلیدِ لغوی اور تقلیدِ اصطلاحی میں فرق ہے حالانکہ فرق بالکل نہیں۔ تقلید کے اصطلاحی معنٰی سُنئے:۔

التقليد اتباع الانسان	تقلید یہ ہے کہ کسی دوسرے
غيره فيما يقول أو يفعل	انسان کے قول یا فعل کی پیروی
معتقدًا الحقيقة فيه	(اُس کی) دلیل میں غور و فکر
من غير نظرٍ وتاملٍ في	کئے بغیر، اس اعتقاد کے ساتھ
الدليل كأن هذا المتبع	کی جائے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یا
جعل قول الغير أو فعله	کرتا ہے وہی حق ہے۔ گویا کہ
قلادةً في عنقه من غير	اس مقلّد نے اس دوسرے
مطالبة الدليل {حاشیہ حسامی}	شخص کے قول و فعل کا طوق اپنی

گردن میں پہن لیا ہے اور اب وہ دلیل کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

اس تعریف کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی کہ تقلید کے اصطلاحی معنٰی بھی وہی ہیں جو اس کے لغوی معنٰی ہیں۔ لہٰذا جو غلط نقشہ اس کے لغوی معنٰی پیش کرتے ہیں وہی نقشہ اس کے عرفی و اصطلاحی معنٰی بھی پیش کرتے ہیں، نتیجہ ظاہر ہے کہ اگر لغوی اعتبار سے تقلید شرک میں داخل ہو جاتی ہے تو اصطلاحی اعتبار سے بھی

وہ شرک میں داخل ہو جاتی ہے، اب بتلائیے کہ یہ ہماری صحیح فہمی تھی یا غلط فہمی۔

مزید سُنئے فقہ کی تعریف یہ ہے :-

مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا {توضیح تلویح ۱۰}	فرائض انسانی کی معرفت کو فقہ کہتے ہیں۔
فالمعرفة ادراك الجزئيات عن دليل فخرج التقليد. {توضیح تلویح ص۱۱}	دلیل کے ساتھ جزئیات کے ادراک کو معرفت کہتے ہیں پس تقلید اس سے خارج ہو گئی۔

اصولِ فقہ کی عباراتِ مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ مقلد فقیہ نہیں ہوتا اس کو دلائل یعنی قرآن و حدیث کا علم نہیں ہوتا۔ تائید مزید کے لئے اصولِ فقہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

لا يقال على المقلد لتقصيره عن الطاقة {توضیح تلویح ص۱۳}	مقلد کو فقیہ نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اس کو معرفتِ دلائل کی استطاعت نہیں ہوتی

اِس سلسلہ میں یہ حدیث بھی سُن لیجئے۔ رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:-

من يرد الله به خيرًا يفقهه في الدين ۞ {صحیح بخاری و صحیح مسلم}	جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُس کو دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ " فقہ " ایک خیر ہے۔ مقلد فقیہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا خیر سے محروم رہتا ہے۔

خلاصہ مندرجاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ تقلید کے نتائج حسب ذیل ہیں :-

(۱) کسی انسان کی مکمل غلامی و اطاعت (حالانکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے)،
(۲) علومِ الٰہیہ، قرآن و حدیث سے محرومی (حالانکہ یہ خیر سے محرومی ہے)،
(۳) جہالت اور شرک۔

اب تقلید کا نام آپ کچھ بھی رکھ لیجئے اگر نتائج یہی ہوں گے تو ہمارا اعتراض بدستور باقی رہے گا۔ تقی صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت ہماری تائید کرتی ہے :۔

" اس بات سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے یہاں تک کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی اس لئے واجب ہے کہ حضور نے اپنے قول و فعل سے احکامِ الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کونسی چیز حلال ہے کونسی حرام؟ کیا جائز ہے کیا ناجائز؟ ان تمام معاملات میں اطاعت خالصۃً اللہ اور رسُول کی کرنی ہے، اور جو رسُولؐ کے بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اُس کو مستقل بالذات مُطاع سمجھتا ہو وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سُنّت کے احکام کی اطاعت کرے۔" (فاران ص۱۱)

تقی صاحب کی یہ عبارت پڑھئے اور اس کے ساتھ تقلید کی اصطلاحی تعریف بھی پڑھئے۔ کیا اس تعریف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مقلد اپنے امام کو مستقل بالذات مُطاع سمجھتا ہے اور یہی شرک ہے۔

مزید توضیح کیلئے توضیح کی یہ عبارت بھی سُنئے :۔

اما المقلد فالدلیل عندہٗ	مقلد کیلئے مجتہد کا قول ہی دلیل
قول مجتہد فالمقلد	ہوتا ہے، پس مقلد یہ کہتا ہے

یقول ھٰذا الحکم عندی	کہ میرے نزدیک یہی حکم ہے اس لئے
لأنه أدّی الیه رأیُ أبي	کہ ابو حنیفہؒ کی رائے نے مجھے اس
حنیفة وکل ما أدّی الیه	تک پہنچایا ہے اور جس حکم تک مجھے
رأیه فھو واقع عندی ۞	ان کی رائے نے پہنچایا ہے بس وہی
{ توضیح تلویح }	میرے نزدیک حقیقت ہے۔

حکم شرعی تو وہی ہوتا ہے جو اللہ کا حکم ہوتا ہے، کسی مجتہد کی رائے تو اللہ کا حکم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس کی رائے ہی کو حکم شرعی سمجھنا اور اس ہی پر عمل کرنا یہ شرک فی الحکم نہیں تو اور کیا ہے؟ توضیح کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ مقلد اپنے امام کو مستقل بالذات مُطاع سمجھتا ہے اور اس کے ہر حکم کو قطع نظر اس کے کہ وہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے یا موافق ہے یا زائد ہے حقیقتِ ثابتہ سمجھتا ہے، لہٰذا تقی صاحب کے الفاظ میں :-

"وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے"۔ (فاران ص۱۱)

غلط فہمی | اگر میں اپنی بات کو صحیح سمجھا سکا ہوں تو یہ بات آپ پر واضح ہو گئی ہو گی کہ کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقعہ پر کی جاتی ہے جہاں قرآن و سُنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں اجمال و ابہام یا تعارض کی وجہ سے کوئی اُلجھن یا دشواری ہو اور قرآن و سُنت کے جن احکام میں کوئی اجمال و ابہام یا اسی قسم کی کوئی اور اُلجھن نہ ہو وہاں کسی امام و مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ (فاران ص۱۳)

ازالہ | اگر غیر مبہم احکام میں تقلید کی ضرورت نہیں تو پھر بتائیے کہ ایک عامی کو وہ احکام کیسے معلوم ہوں گے؟ آخر اُسے کسی عالم سے دریافت کرنا پڑے گا اور اگر یہ

دریافت کرنا تقلید نہیں تو پھر کسی مبہم حکم کو بھی وہ دریافت کرسکتا ہے اور یہ تقلید نہیں ہوگی، اور ہوگی بھی تو اُسی عالِم کی جس سے وہ دریافت کر رہا ہے نہ کہ کسی فوت شُدہ انسان کی۔ اور وہ بھی عارضی ہوگی نہ کہ دائمی، حالانکہ آپ کی مروّجہ تقلید دائمی ہے۔

اگر مبہم احکام میں تقلید ضروری ہے تو اس کے یہ معنٰی ہوئے کہ مقلّد کو کسی مجتہد کی رائے کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ گویا اللہ کے دین میں غیر اللہ کی رائے بھی شامل ہوجائیگی اور یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ {قیامتہ} پھر اس وحی کی تشریح کرنا بھی ہمارا ذمہ ہے

لیکن تقی صاحب فرماتے ہیں کہ بعض احکام مبہم اور تشریح طلب ہیں، اس کے یہ معنٰی ہوئے کہ اللہ نے جو ذمہ لیا تھا اُسے پُورا نہیں کیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

اس سلسلہ میں تقی صاحب نے چند مبہم احکام کو بطور مثال کے پیش کیا ہے۔ ان احکام کو پیش کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ کیونکہ یہ احکام مبہم ہیں لہٰذا ان کی تشریح کیلئے کِسی کی تقلید ضروری ہے۔ یہ احکام بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں:۔

قرآن کریم کا ارشاد:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ — اور جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی

بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ — ہو وہ تین "قرء" گذرنے تک انتظار کریں۔

اس میں مطلقہ عورت کی عدت بیان کی گئی ہے اور اس کے لئے "تین قرء" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "قرء" کا لفظ عربی زبان میں "حیض" کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور "طہر" کے لئے بھی۔ اگر پہلے معنٰی لئے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مطلقہ کی عدت تین ایامِ ماہواری ہیں

اور اگر دوسرے معنیٰ لئے جائیں تو تین طہر عدت قرار پاتے ہیں۔ اس موقعہ پر ہمارے لئے یہ اُلجھن پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم ان دو معنوں میں کس پر عمل کریں؟" (فاران ص۱۲)

ازالہ اگر تقی صاحب کی بات کو صحیح مان لیں تو گویا اللہ کے دین میں بہت سی اُلجھنیں ہیں اور وہ اللہ نے صاف نہیں کیں بلکہ اُن کو غیر اللہ کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

اگر یہ اُلجھن فرض بھی کر لی جائے تو کیا اس کا حل اللہ کی وحی میں نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت سے فرماتے ہیں۔

إذا أتى قرؤك فلا تصلي	جب تمہارا قرء آجائے تو نماز نہ
فاذا مر قرؤك فتطهري	پڑھو اور جب تمہارا قرء گذر جائے
ثم صلي ما بين القرء إلى القرء	تو نہاؤ پھر ایک قرء سے دوسرے قرء
(ابوداؤد، ج ا ص۴۲۔ تفسیر ابن کثیر	کے بیچ نماز پڑھتی رہو۔

ج اول ص۲۰۷۔ نصب الرایہ ج اول ص۲۰۱ و ص۲۰۲۔ نصب الرایہ میں اس قسم کی کئی احادیث ہیں سند کے متعلق لکھتے ہیں ورواتہ ثقات)

غرض یہ کہ قرء کی تشریح خود حدیث میں موجود ہے۔ یعنی قرء کے معنیٰ حیض ہیں اور یہ خود احناف کے ہاں بھی مسلم ہیں۔

غلط فہمی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من لم يترك المخابرة	جو شخص بٹائی کا کاروبار نہ چھوڑے
فليؤذن بحرب من الله	وہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف
ورسوله {ابوداؤد}	سے اعلانِ جنگ سُن لے۔

اس میں بٹائی کی ممانعت کی گئی ہے۔ لیکن بٹائی کی بہت سی صورتیں

ہوتی ہیں۔ حدیث اس باب میں خاموش ہے کہ یہاں بٹائی کی کونسی صورت مراد ہے؟ (فاران ص۱۲)

ازالہ حدیث میں تو اس چیز کی صراحت موجود ہے کہ کون سی بٹائی حرام ہے اور کون سی حلال۔ اگر تقلید کی وجہ سے آپ کو نظر نہ آئے تو بات دوسری ہے۔ رافع بن خدیج کہتے ہیں:۔

(۱) کنا نکری الارض علیٰ ان لنا ھٰذہ و لھم ھٰذہ فربما أخرجت ھٰذہ و لم تخرج ھٰذہ فنھانا عن ذٰلك فاما الورق فلم ینھنا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)	ہم زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے اس شرط پر کہ فلاں حصہ کی پیداوار ہماری اور فلاں حصہ کی پیداوار کرایہ دار کی۔ پس کبھی اِس زمین میں پیداوار ہوتی اور اُس میں نہ ہوتی۔ پس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس قسم کی بٹائی سے منع کر دیا لیکن چاندی (روپیہ پیسہ) کے عوض کرایہ پر دینے سے منع نہیں کیا۔

کیونکہ اس قسم کی بٹائی میں کسی ایک کے نقصان کا اندیشہ تھا لہٰذا اس کی ممانعت کر دی گئی۔ لیکن روپیہ پیسہ کے عوض یا پیداوار کے کسی جزو پر کرایہ پہ دینا ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔

(۲) فاما شئ معلوم مضمون فلا بأس بہ [صحیح مسلم ج۲ اول ص۱۳]	لیکن جب کرایہ کی مقدار کو معیّن اور واضح کر دیا جائے تو کرایہ پر دینے میں کوئی گناہ نہیں

(۳) أعطی یھود خیبر أن یعملوھا	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ویزرعوھا ولھم شطر ما یخرج منھا۔ {صحیح بخاری صحیح مسلم جلد اول ص۶۷۷}	خیبر کے یہودیوں کو زمین اس شرط پر دی تھی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور اس میں ان کا حصّہ

پیداوار کا نصف ہوگا.

(۴) فنھاھم أن یکروا بذلك وقال اکروا بالذھب والفضة {احمد، ابوداؤد ونسائی جلد۲ ص۱۳۵ قال الحافظ رجالہ ثقات۔ نیل الاوطار جز ۵ ص۲۳۶}	کھیت کو کسی خاص حصّہ کی پیداوار کے عوض کرایہ پر دینے سے آپ نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ سونے چاندی کے عوض کرایہ پر دیا کرو۔

غرض یہ کہ اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں۔ اگر آپ کو نظر نہیں آئیں تو اس کا علاج صرف ایک ہے کہ تقلید کو چھوڑ دیجئے پھر سب کچھ نظر آجائے گا اور کسی چیز میں اُلجھن نظر نہیں آئے گی۔

غلط فہمی | ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :۔

من کان لہ امام فقراءة الامام لہ قراءة۔ (ابن ماجہ)	جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کیلئے بھی قرأت بنجائیگی.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں جب امام قرأت کر رہا ہو تو مقتدی کو خاموش کھڑا رہنا چاہیئے. دوسری طرف آپ ہی کا ارشاد ہے :۔

لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب (بخاری)	جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اُس کی نماز نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے

ان دونوں حدیثوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ اُلجھن پیدا ہوتی ہے کہ آیا اصل پہلی حدیث کو قرار دیکر یوں کہا جائے کہ دوسری حدیث میں صرف امام اور منفرد کو خطاب کیا گیا ہے اور مقتدی اس سے مستثنیٰ ہے۔ یا دوسری کو اصل قرار دیکر یوں کہا جائے کہ پہلی حدیث میں قرأت سے مُراد فاتحہ کے سوا کوئی دوسری سُورۃ ہے اور سُورۂ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (فاران ص۱۲و۱۳)

ازالہ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ دوسری حدیث صحیح متصل الاسناد ہے اور پہلی مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا پہلی کو دوسری کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح حدیث پر عمل ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ دو صورتیں جو آپ نے تجویز فرمائی ہیں ان میں سے وہ صورت اختیار کی جائے جس کی وضاحت خود حدیث میں موجود ہو۔ اور وہ یہ ہے۔

رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

لا تقرؤا بشیءٍ من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن۔ {ابوداؤد جلد اوّل ص۱۲۶۔ نسائی دارقطنی ص۱۲۱ وقال کلھم ثقات} وفی روایۃ فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا۔ (ابوداؤد ترمذی)	جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو قرآن میں سے کچھ نہ پڑھو سوائے سُورۂ فاتحہ کے (ایک روایت میں یہ لفظ زائد ہیں) کیونکہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔

یہ حدیث متعدد صحابہؓ سے متعدد اسناد کے ساتھ مروی ہے اور اس کی صحت میں کچھ شبہ نہیں۔ اس حدیث کی موجودگی میں تقی صاحب کی مفروضہ اُلجھن کالعدم ہوگئی۔ یعنی مقتدی کو جہری قرأت کی صورت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ دوسری سُورۃ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اگر یہ وضاحت حدیث میں نہ ہو تب بھی کسی کو کیا اختیار ہے کہ وہ کوئی صورت

اپنی طرف سے مقرر کرے اور اگر ایسا کیا جائے تو یہ شریعت سازی ہوگی، اور یہ شرک ہے اور وضاحت کی موجودگی میں اس وضاحت کے خلاف دیگر صورت اختیار کی جائے تو یہ تحریف فی الدین اور صریح کفر ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں حنفیہ شرک فی التشریع اور تحریف فی الدین یعنی کفر، دونوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔

خلاصہ | تقی صاحب کی وارد کردہ تینوں اُلجھنیں خود حدیث نے دُور کر دیں، لہٰذا تقلید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسلامی شریعت میں اُلجھنوں کے وجود کو تسلیم کرنا مندرجہ ذیل احادیث کے بھی خلاف ہے۔

رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

(۱) ایم اللہ لقد ترکتکم علی مثل البیضاء لیلھا و نهارها سواءٌ {ابن ماجہ عن ابی الدرداءؓ جلد اول ص۲ ورواه احمد نحوہٗ عن عرباضؓ۔ بلوغ الامانی جزء اول ص۱۸۹ وسندہ صحیح}

اللہ کی قسم میں نے تمہیں روشن شریعت پر چھوڑا ہے۔ اس کی رات اور اس کا دن دونوں روشنی میں برابر ہیں۔

(۲) اَمُتَهوّکون انتم کما تهوّکت الیهود والنصارٰی لقد جئتکم بها بیضاءَ نقیةً۔ {مسند احمد عن جابرؓ ورجالہ رجال الحسن

کیا تم اسی طرح الجھن میں مبتلا ہو جس طرح یہود و نصارٰی تحقیق میں تمہارے لئے روشن وصاف شریعت لے کر آیا ہوں۔

ورواه احمد وابن ماجہ عن ابن عباسؓ واسنادہ حسن ورواه ابن حبان عن جابرؓ باسناد صحیح

(بلوغ الامانی جزء اول ص۱۷۵)}

تقی صاحب یہ ملّتِ بیضاء ہے اس میں الجھنیں کیسی !

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ○ (صف) | اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔

نورِ ہدایت کامل ہو گیا۔ اب ظلمت کیسی! ابہام کیسا!

مفروضہ | فرض کیجئے شریعت میں ابہام موجود ہے۔ اُلجھنیں باقی ہیں تو کیا اس کو دور کرنے کا صرف ایک ہی علاج ہے یعنی تقلید۔ ہرگز نہیں بلکہ شاگرد کا اُستاد سے پوچھنا۔ جاہل کا عالم سے پوچھنا اور عالم کا دوسرے علماء سے مذاکرہ کرنا اِن اُلجھنوں کو دور کر دیگا۔

تقی صاحب لکھتے ہیں:۔

غلط فہمی | آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن و حدیث سے احکام مستنبط کرنے میں اس قسم کی بہت سی دشواریاں پیش آئی ہیں۔ اب ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم اپنی فہم و بصیرت پر اعتماد کر کے اس قسم کے معاملات میں خود کوئی فیصلہ کر لیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن و سنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف نے کیا سمجھا ہے۔

(فاران ص۱۳)

ازالہ | جو دشواریاں آپ نے پیش فرمائی تھیں وہ تو سب زائل کر دی گئیں، لہٰذا قرآن و حدیث کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہے ہی نہیں بشرطیکہ علم ہو، اور اگر کوئی شخص عالم ہو کر بھی جاہل بن جائے تو یہ اُس کی بدقسمتی ہے۔

یہ تو صحیح ہے کہ قرآن و حدیث کو جس طرح اسلاف (صحابہ کرامؓ) نے سمجھا ہے ہمیں

اسی طرح سمجھنا چاہیئے اور اس کو نئے معنیٰ نہیں پہنانے چاہئیں. لیکن اس کے یہ معنیٰ تو نہیں کہ اسلاف میں سے کسی فرد کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے اور اس کے خلاف جمہور کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ اس فرد کے خلاف دوسرا کوئی نہیں تو یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ اس فرد کو وہ حدیث پہنچی ہی نہ ہو لہٰذا حدیث کی موجودگی میں اس فرد کا قول کیسے قابلِ حجت ہو سکتا ہے؟!

غلط فہمی قرونِ اُولیٰ کے جن بزرگ کو ہم علومِ قرآن و سُنّت کا زیادہ ماہر دیکھیں اُن کی فہم و بصیرت پر اعتماد کریں اور اُنہوں نے جو کچھ سمجھا ہے اُس کے مُطابق عمل کریں۔ (فاران ص ۱۳)

ازالہ اگر ایک مقلّد یہ معلوم کر سکتا ہے کہ کون سا بزرگ علوم قرآن و سُنّت کا زیادہ ماہر ہے تو پھر وہ اُس بزرگ سے بھی زیادہ عالم ہوا کہ ہر بزرگ کی فقہ سے واقف ہو کر وہ اس نتیجہ پر پہنچا. اگر اب بھی وہ تقلید کرے تو اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ اس نے اپنے سے کم علم شخص کی تقلید کی اور یہ بالکل مضحکہ خیز ہے۔

تقی صاحب یہ بتائیے کہ یہ کروڑ ہا مقلّدین جو اس وقت دُنیا میں موجود ہیں ان میں سے کس کس نے یہ معلوم کیا کہ فلاں بزرگ علوم قرآن و حدیث کے زیادہ ماہر ہیں. اگر کسی نے بھی معلوم نہیں کیا اور مقلّد (بے علم) معلوم ہی کیسے کر سکتا ہے تو پھر یوں کیوں نہ کہا جائے کہ ان میں تقلیدِ آبا رسرایت کر گئی ہے، جو باپ کا مذہب وہی بیٹے کا. اگر وہ حنفی گھرانے میں پیدا ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کو سب سے زیادہ عالم سمجھے گا اور اگر وہی شخص شافعی گھرانے میں پیدا ہوتا تو امام شافعیؒ کو سب سے بڑا عالم سمجھتا. گویا کسی بزرگ کے بڑا عالم ہونے یا نہ ہونے کا انحصار مقلّد کی پیدائش پر ہے ۔ اس طرح مقلّد بہ یک وقت مجتہد کا بھی مقلّد ہے اور آباء و اجداد کا بھی مقلّد ہے۔ یہ دونوں تقلیدیں جن کی مذمت میں قرآنی آیات شاہد

ہیں اس میں موجود ہوتی ہیں۔ افسوس ایسی تقلید پر! اچھا تقی صاحب یہ بتائیے کہ حضرت ابوبکرؓ بڑے عالم تھے یا امام ابوحنیفہؒ؟ کیا جس کو آپ بڑا عالم سمجھتے ہیں اُسی کی تقلید کرتے ہیں۔ یا آپ کے نزدیک ابوحنیفہؒ بڑے عالم ہیں؟

غلط فہمی ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے مختلف التعبیر پیچیدہ معاملات میں اس مطلب کو درست قرار دیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائیگا کہ ہم نے فلاں عالم کی تقلید کی ہے۔ (فاران صـ۱۳)

ازالہ مقلد میں اتنا علم کہاں سے آئے گا کہ وہ سلف میں سے کسی عالم کے مطلب کو درست قرار دے۔ اس کا فیصلہ تو عالم ہی کر سکتا ہے نہ کہ جاہل۔ عجیب بات ہے کہ کہیں تو آپ عالم کو بھی جاہل بنا دیتے ہیں کہ اس کو تقلید پر مجبور کرتے ہیں اور کہیں مقلد کو اتنا بڑا عالم بنا دیتے ہیں کہ وہ کسی امام کے قول کے متعلق یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ درست ہے یا غیر درست۔

"ایں چہ بوالعجبی است!"

غلط فہمی مذکورہ بالا گذارشات سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ کسی امام و مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس کے حکم کو شارع کی حیثیت سے مانا گیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتباع تو قرآن و سنت ہی کی مقصود ہے۔ صرف قرآن و سنت کی مراد سمجھنے کیلئے بحیثیت شارحِ قانون ان کی تشریح و تعبیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (فاران صـ۱۳)

ازالہ تقلید کی جو تعریف اور مقلد کا جو عقیدہ اور دعوٰی اُوپر اصولِ فقہ کی کتابوں سے دیا گیا ہے اُس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ شارع ہے کہ اُس کی رائے مقلد کیلئے

واجب التعمیل ہے۔

کلّ ما أدّی إلیه رأیه	جو امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے بس
فهو واقع عندی {توضیح تلویح}	وہی میرے لئے واجب التعمیل ہے۔

گویا مقصود بالذات امام کی رائے ہے ورنہ اس عقیدہ میں یہ گنجائش رکھی جاتی کہ اگر اس کی رائے غلط ہوگی تو ترک کر دوں گا، کیونکہ امام کی ہر رائے کو اس نے اپنے ذمّہ لازم قرار دے لیا، لہٰذا اس نے اپنے امام کو اللہ تعالیٰ کا درجہ دیدیا اور یہی تو شرک ہے۔

پھر اگر عملاً دیکھا جائے تو آپ کو تقلیدی دُنیا میں یہی ملے گا کہ صریح و صحیح حدیث کے خلاف امام کی رائے ہی کو مانا جا رہا ہے۔ اگر یہ شارع بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لئے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے:۔

علماء را بہ پیغمبری رسانیدہ شود	مقلدین نے علماء کو رسول کا درجہ
بلکہ بخدائے۔ {فتاوی عزیزیہ ج ۱ ص ۱۶۱}	دیدیا بلکہ اللہ کا۔

فقہ حنفیہ میں بے شمار مسائل گھڑے گئے ہیں جن کا قرآن و حدیث میں کہیں پتہ نہیں بلکہ بعض تو قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہیں۔ کیا یہ شریعت سازی نہیں۔ اگر نہیں تو ان مسائل کا قرآن و حدیث سے آپ ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں کر سکتے تو پھر آپنے شارع بنایا یا نہیں یہ شرک ہوا یا نہیں۔ (ان میں سے چند مسائل کا ذکر اسی کتاب میں آگے آرہا ہے)

ہاں آپ کا یہ کہنا کہ ہم نے شارع نہیں شارح سمجھا ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں بایں لئے کہ شارح بھی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔

إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ {قیامۃ ۱۹}	اس کی تشریح بھی ہمارے ذمّہ ہے۔

اس تشریحی ذمّہ کو اللہ تعالیٰ نے رسُول کی طرف وحی بھیج کر پُورا کر دیا اور اس وحی

کے ماتحت رسول کو اس تشریح کے پہنچا دینے کا منصب دے کر اتمام حجت کر دیا۔ ارشاد باری ہے:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ	(اے رسولؐ) ہم نے یہ شریعت آپؐ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ	کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپؐ لوگوں
اِلَيْهِمْ {نحل}	کیلئے اس نازل کردہ شریعت کی تشریح کر دیں

غرض یہ کہ شرح بھی وہی حجت ہوگی جو رسولؐ کے ذریعہ سے ملے گی! اور جو شرح رسولؐ کے ذریعہ سے نہ پہنچے بلکہ خود ساختہ ہو تو وہ شرح اللہ کی شرح کے مقابلہ میں واقع ہوگی اور اسی لئے شرک ہوگی۔ شارع بھی اللہ اور شارح بھی اللہ۔ اگر امام کو آپ شارح سمجھتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے۔

ایک سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

من أدرك من الصبح	جس نے صبح کی نماز کی ایک
ركعة قبل أن تطلع	رکعت طلوعِ آفتاب سے پہلے
الشمس فقد أدرك الصبح	پالی اُس نے صبح کی نماز پالی
{صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۵} فليتم	اُسے وہ نماز پوری کرلینی
صلوته {صحیح بخاری جزء اول ۴۶}	چاہیئے۔

فرمائیے اس حکم میں کیا اُلجھن ہے؟ آپ اسے کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ کیا کوئی دلیل ہے؟ کیا آپ نے محض قیاس سے اس کو رد نہیں کیا؟ اگر آپ یہ کہیں کہ طلوعِ آفتاب کے وقت نماز کی ممانعت ہے لہٰذا ہم اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے تو جواباً عرض ہے کہ اس وقت فرض شروع کرنا منع ہے یا شروع کئے ہوئے فرض کو پورا کرلینا بھی منع ہے!

دونوں حدیثوں کا مطلب صاف ہے کہ ایسے وقت میں نماز ممنوع ہے سوائے اُس فرض

نماز کے جس کی ایک رکعت وقت کے اندر مل گئی ہو۔

اگر آپ اس ہی پر اصرار کریں کہ ممانعت عام ہے لہٰذا ہم اس حدیث سے تخصیص نہیں کرتے تو سوال یہ ہے کہ جب حدیث تخصیص کرتی ہے تو کسی کو کیا مجال ہے کہ وہ تخصیص کو تسلیم نہ کرے۔ اور اگر آپ تخصیص کو تسلیم نہیں کرتے تو عصر کی نماز میں آپ نے تخصیص کو کیوں تسلیم کیا ہے؟ آپ عصر کی ایک رکعت غروبِ آفتاب کے وقت پڑھ لینے کی اجازت دیتے ہیں حالانکہ غروبِ آفتاب کے وقت نماز کی ممانعت ہے۔ یہاں عام حکم کی تخصیص آپ نے کیسے کرلی اور وہاں کیسے نہیں کی؟ درحقیقت آپ نے نہ عام حدیث کو مانا نہ خاص کو۔ بلکہ دونوں کو متعارض سمجھ کر دونوں کو ساقط کر دیا اور پھر محض قیاس سے غروبِ آفتاب کے وقت ایک رکعت پڑھنے کی اجازت دیدی اور محض قیاس ہی سے طلوعِ آفتاب کے وقت ایک رکعت پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ تفصیل کیلئے شرح وقایہ ودیگر کتبِ فقہ ملاحظہ فرمائیں۔

فرمائیے یہ تشریع ہے یا تشریح؟ اگر اب بھی آپ مجتہد کو شارع نہ مانیں تو ہم سوائے انا للہ پڑھنے کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ تائید میں آپ ہی کی عبارت پیشِ خدمت ہے:۔

"اگر کوئی شخص کسی امام کو شارع کا درجہ دے کر اُسے واجب الاتباع قرار دیتا ہو تو بلاشبہ اُسے شرک کہا جاسکتا ہے۔" (فاران ص ۱۳)

اس کے بعد تقی صاحب تقلید کے جواز بلکہ وجوب پر قرآن واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

غلط فہمی | یہ وہ چیز ہے جس کا جواز بلکہ وجوب قرآن وسنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ   اور اگر یہ لوگ اس امر کو رسول

وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ	اور اولی الامر کے حوالہ کرتے تو
لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ	جو لوگ استنباط کے اہل ہیں وہ
مِنْهُمْ {نساء ۸۳}	اسے جانتے (اور انہیں بتلا دیتے)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ خود استنباط کی اہلیت نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ وہ ان لوگوں کی تقلید کریں جو اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں۔ (فاران ص۱۴)

ازالہ تقی صاحب نے معلوم نہیں کس وجہ سے آیت کے پہلے حصہ کو نقل نہیں فرمایا۔ اگر وہ آیت کے پہلے حصہ کو دیکھ لیتے تو انہیں غلط فہمی نہ ہوتی اور اگر وہ نقل بھی کر دیتے تو پڑھنے والوں کو دھوکہ نہ ہوتا۔ پوری آیت اس طرح ہے:۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ	اور جب اُن کے پاس امن کی یا خوف
الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا	کی کوئی خبر آتی ہے تو اُس کو پھیلا دیتے
بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ	ہیں اور اگر وہ اس خبر کو رسول یا امراء
وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ	کے پاس لے جاتے تو جو لوگ ان میں سے
لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ	اس خبر کی تحقیق کرتے وہ حقیقتِ
مِنْهُمْ {نساء ۸۳}	حال سے آگاہ ہو جاتے۔

آیت کا مطلب صاف ہے کہ امن یا جنگ کی افواہوں کو پھیلانا نہیں چاہیئے بلکہ اُمراء کی طرف انہیں رجوع کرنا چاہیئے تاکہ وہ تحقیق کر لیں اور صحیح نتیجہ تک پہنچ جائیں۔ بتلائیے اس آیت کو تقلید سے کیا تعلق ہے؟ پھر اگر اس کو تقلید ہی کی طرف کھینچ کر لے جائیں تو اس میں کسی فوت شدہ انسان کی تقلید کی دلیل کہاں ہے؟ غور سے اگر دیکھا جائے تو اس میں تقلید کی تردید ہے کہ کسی خبر کو بھی بے تحقیق تسلیم نہ کرے بلکہ اگر خود تحقیق نہ

کر سکتا ہو تو کسی سے تحقیق کرالے۔ لیکن مقلّد تو ہر فتوے کو بے دلیل تسلیم کرتا ہے، اسے یہ کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ جو مسئلہ اس کو پہنچا ہے وہ اس کی تحقیق تو کرلے کہ وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔

تقی صاحب کے ترجمہ کو مدّ نظر رکھتے ہوئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "اولوا الامر" میں سے بعض تو "اہلِ استنباط" ہوں گے اور بعض نہیں۔ جو "اہلِ استنباط" ہوں گے وہ اسے جان لیں گے کہ مسئلہ کیا ہے۔ اب تقی صاحب ہمیں یہ بتائیں کہ "اولوا الامر" سے کیا مُراد ہے؟ مجتہدین یا مقلّدین۔ اگر مجتہدین مُراد ہیں تو کیا مجتہد کی بھی دو قسمیں ہو سکتی ہیں؟ "اہلِ استنباط" اور "غیر اہلِ استنباط"۔ اگر نہیں ہو سکتیں اور ہر گز نہیں ہو سکتیں، اس لئے کہ "غیر اہلِ استنباط" مجتہد نہیں ہو سکتا، تو پھر "اولوا الامر" سے مُراد مجتہدین نہیں ہو سکتے۔ اب اگر یہ بھی فرض کریں کہ اس سے مُراد مقلّدین ہیں (حالانکہ تقی صاحب اس کو تسلیم نہیں کریں گے) تو پھر مقلّدین کی بھی دو قسمیں ہوں گی۔ "مقلّد اہلِ اجتہاد" اور "مقلّد غیر اہلِ اجتہاد" لیکن مقلّد بھی ہو اور اہلِ اجتہاد بھی، یہ اجتماع ضدّین ہے، لہٰذا باطل ہے۔

اگر "اولوا الامر" سے مراد علماء ہیں تو پھر علماء کی دو قسمیں ہوئیں۔ "علماء اہلِ اجتہاد" اور "علماء غیر اہلِ اجتہاد"۔ اور کیونکہ نئے نئے پیش آمدہ مسائل کیلئے علماء غیر اہلِ اجتہاد یعنی علمائے مقلّدین کی طرف رجوع کرنا تو بیکار ہو گا لہٰذا "علماء اہلِ اجتہاد" کا ہمیشہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن اجتہاد کا دروازہ آپ کے نزدیک بند ہے، لہٰذا یہ معنیٰ بھی آپ کے لئے مفید نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ "اولوا الامر" کے معنیٰ علماء تسلیم کرلیں تو پھر آپ براہِ کرم آئندہ تمام نئے مسائل کیلئے علماء اہلِ اجتہاد یعنی علماء مسلمین کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیجئے۔ خود جواب نہ دیجئے ورنہ آپ مجتہد بن جائیں گے حالانکہ آپ مقلّد ہیں اور مقلّد مجتہد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اجتماع ضدّین باطل ہے۔ تقلید کی تعریف ہی یہی ہے کہ اس میں دلائل کی معرفت نہیں ہوتی اور بغیر دلیل کے اجتہاد ناممکن۔ لہٰذا ثابت ہوا

کہ "اولوالامر" سے مُراد نہ مجتہدین ہیں نہ علمائے مقلدین ہیں نہ اور علماء۔ بلکہ اس سے مُراد امراء ہیں کہ ان میں سے بعض امراء کے پاس تحقیق و تفتیش کے وسائل ہوتے ہیں اور بعض کے پاس نہیں۔ لہٰذا جن امراء کے پاس تفتیش کے وسائل اور متعلقہ عملہ ہوگا وہی تحقیق و تفتیش کر سکتے ہیں اور ان کی تحقیق سے اس افواہ کی اصل حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔

چلتے چلتے اس آیت کا شانِ نزول بھی سن لیجئے۔ مدینہ منورہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور تحقیق کر کے لوگوں کو بتادیا کہ یہ افواہ غلط ہے۔ اُس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے :۔

فکنت أنا استنبطت ذٰلك الامر {صحیح مسلم جلد اوّل ص۴۳۲ باب الایلاء}	اس خبر کی تحقیق میں نے ہی کی تھی

اس شانِ نزول کو سامنے رکھ کر بتائیے کہ وہ خبر تھی جس کی تحقیق کی گئی یا مسئلہ تھا جس کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا ؟

غلط فہمی | ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ {توبہ ۱۲۲}	ان کے ہر فرقہ میں سے ایک چھوٹی جماعت اس مقصد کیلئے کیوں نہ نکلے کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو بیدار کریں تاکہ وہ لوگ (اللہ کی نافرمانی سے) بچیں۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ علم دین حاصل کرنے والوں کیلئے یہ ضروری ہے
کہ وہ اپنی قوم میں واپس پہنچکر اُنہیں دین و شریعت کے احکام بتلائیں اور
اُن کی قوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان بتلائے ہوئے مسائل پر اعتماد کرکے
اُن پر عمل کریں، اسی کا نام تقلید ہے (فاران ص ۱۴)

ازالہ کیا اس آیت پر اب بھی عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو پھر اس زمانہ میں جو علماء ہوں گے اُن کی تقلید ہوگی نہ کہ فوت شدہ چار علماء کی۔ لہٰذا یہ آیت تو آپ ہی کے لحاظ سے آپ کی تقلید کی تردید کرتی ہے۔

آپ تو اجتہاد کا دروازہ بند کر چکے اور یہ آیت آپ کے لحاظ سے اجتہاد کا دروازہ کھول رہی ہے۔ کیا آپ کو منظور ہے؟ اگر منظور ہے تو پھر ہم سے اختلاف کیا ہے؟ ہم یہی تو کہتے ہیں کہ اس دروازہ کو کھول دیجئے لیکن آپ کھولنا نہیں چاہتے۔

پھر اس آیت کی رُو سے اُن علماء کی بڑی کثرت ہوگی جن کی تقلید کی جائے گی بلکہ ایک ہی شہر میں کئی کئی علماء ہوں گے۔ اس آیت کی رُو سے ہر عالم قابلِ وقعت قابلِ اعتماد ہوگا، لہٰذا یہ بھی جائز ہوگا کہ کوئی مسئلہ کسی سے اور کوئی مسئلہ کسی سے دریافت کیا جائے۔ اس صورت میں تقلیدِ شخصی کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔

پھر یہ تو بتلائیے کہ وہ علماء اپنی قوم کے پاس آکر لوگوں کو احکامِ الٰہی کی تعلیم دینگے یا اپنی رائے کی؟ اگر احکامِ الٰہی کی تعلیم دیں گے تو ہمیں اس سے اتفاق ہے، اور اگر اپنی رائے کی تعلیم دیں گے تو ایسی تعلیم کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو شریعت کی حیثیت سے سکھانا شرک فی التشریع ہوگا۔

غلط فہمی ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

اِتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ — اُس شخص کے راستہ کی پیروی کرو

اِلَیَّ { لقمٰن ۱۵ }　　　جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہو۔

اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ "میرے راستہ کی پیروی کرو" کیونکہ اللہ کی اطاعت کے راستہ کو ٹھیک اسی طرح سمجھنا جس طرح وہ راستہ واقع ہوا ہے ہر شخص کے بس کا کام نہیں، اس لئے یہ طریقہ بتلایا گیا کہ جو شخص اللہ کی طرف بہ دل و جان راغب ہے، اور اللہ کی پسند و ناپسند کو سمجھنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اُس کی اتباع کرنے سے اللہ کی اطاعت ہو جائے گی۔

(فاران ص۱۴)

ازالہ (۱) ہر مؤمن اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں "مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ" کی تفسیر مؤمنین سے ہی کی گئی ہے۔ لہٰذا آیت کے معنٰی تقی صاحب کے لحاظ سے یہ ہوئے کہ ہر مؤمن کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اور اس سے تقلیدِ شخصی ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) آیت میں تو یہ ہے کہ "اہل اللہ" کے راستہ کا اتباع کرو لیکن تقی صاحب نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اہل اللہ کی اتباع کرو۔ کہاں اس کی ذات کی پیروی اور کہاں اس راستہ کی پیروی جس پر وہ چلتا ہے۔ راستہ پر چلتے چلتے وہ غلطی تو کر سکتا ہے کیوں کہ ہر انسان خطاء و نسیان کا پُتلا ہے۔ اور "اَلْمُجْتَهِدُ قَدْ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ" یعنی ہر مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور ٹھیک بات بھی کہتا ہے"۔ لہٰذا اس کی ذات کی پیروی میں غلطی کا بھی امکان ہے، لیکن جس راستہ پر وہ چل رہا ہے وہ راستہ غلط نہیں ہے کیونکہ تمام اہل اللہ کا راستہ ایک ہی ہے، یعنی صراطِ مستقیم "اسلام" پس آیت میں اسلام پر چلنے کا حکم ہے نہ کہ شخصی تقلید کا۔

(۳) ائمۂ دین نے تقلید سے منع فرمایا تھا، لہٰذا ان کے راستہ کی پیروی یہی ہے کہ ان کی تقلید نہ کی جائے، بلکہ جس راستہ (یعنی کتاب و سنت) پر وہ چل رہے تھے اُسی

پر چلا جائے اور اسی پر چلنے کی وہ ہدایت بھی کر گئے ہیں۔

غلط فہمی قرآنِ کریم کی طرح بہت سی احادیث سے بھی تقلید کا جواز ہوتا ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر ہم صرف ایک حدیث پیش کرتے ہیں:۔

عَنْ حُذَیفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انی لا اُدْرِیْ مَا بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی اَبی بکر و عمر۔ {مسند امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ}	حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں زندہ رہوں گا لہٰذا میرے بعد ان دوؔ شخصوں کی اقتدار کرنا ایک ابوبکر دوسرے عمر (رضی اللہ عنہما)

اس حدیث میں "اقتدار" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو انتظامی اُمور میں اطاعت کرنے کے معنیٰ میں ہرگز استعمال نہیں ہوتا۔ اس کا مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو ہم تقلید کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔" (فاران ۱۵)

ازالہ (۱) تقلید تو ایک شخص کی ہوتی ہے، یہاں دو شخصوں کی تقلید کا حکم ہے۔ کیا آپ بھی دوؔ اماموں کی تقلید کو جائز سمجھتے ہیں؟ اگر جائز سمجھتے ہیں تو پھر وہ تقلید شخصی نہیں رہی۔

(۲) اگر اس حدیث سے تقلید ہی مُراد ہے تو پھر آپنے اس فرمانِ رسُول کی خلاف ورزی کیوں کی؟ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو حکم دیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی تقلید کرنا اور آپنے دوسروں کی تقلید اختیار کر لی اور ان دونوں کی تقلید بالکل ترک کر دی۔ کیا یہی اطاعتِ رسُول ہے؟

(۳) اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی میں حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کرنا اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی زندگی میں حضرت عمرؓ کی تقلید کرنا تو پھر اس سے

زندہ امام کی تقلید ثابت ہوئی۔ لہٰذا آپ بھی کسی زندہ امام کی تقلید کیجیے۔ فوت شدہ کی تقلید چھوڑ دیجیے، جیسے حضرت ابوبکرؓ کی تقلید اُن کے انتقال کے بعد چھوڑ دی گئی۔

(۴) حضرت ابوبکرؓ نے زانی کو کوڑے مار کر جلا وطن کیا تھا (تاریخ الخلفاء) حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا (نیل الاوطار) کیا آپ اس مسئلہ میں ان کی تقلید کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی تھی (ابن ابی شیبہ) کیا یہ آپکے ہاں بھی جائز ہے؟ حضرت عمرؓ فاتحہ خلف الامام کا حکم دیتے تھے۔ کیا آپ اسے تسلیم کرتے ہیں؟ اگر آپ ان مسائل میں ان کی نہیں مانتے تو گویا آپ ان کے مقلد نہیں، حالانکہ بموجب حکمِ رسول آپ کو ان کا مقلد ہونا چاہیئے تھا۔

(۵) کیا واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تقلید کرتے تھے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے، مثلاً

(الف) عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوا کہ تمتع جائز ہے یا ناجائز۔ فرمایا جائز ہے۔ سائل کہنے لگا آپکے والد (حضرت عمرؓ) تو اس سے منع کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:-

أرأيت إن كان أبي نهى عنها وصنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال الرجل بل أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لقد صنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم (رواه الترمذي مشكوٰۃ ص ۲۲۵)	بتاؤ اگر میرے باپ نے منع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا ہے تو میرے باپ کی مانی جائے گی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا جائے گا؟ سائل نے کہا کہ نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہی مانا جائے گا۔ فرمایا پس تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ عبداللہ بن عمرؓ مقلد تھے نہ وہ سائل ہی حضرت عمرؓ کا مقلد تھا۔

(ب) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دادی کے ورثہ کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت مغیرہؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حدیث کے مطابق حکم نافذ کر دیا {رواہ الترمذی دیکھو جلد۲ صـ۱۲}

بقول آپکے حضرت ابوبکرؓ نے مقلدین سے پوچھ کر عمل کیا، گویا امام نے مقلد کی تقلید کی۔ ایں چہ بوالعجبی است۔ حدیث کو تلاش کرنا۔ اس کی تحقیق کرنا یہی درحقیقت استنباط ہے، نہ کہ رائے سے فتوی دینا۔

(ج) حضرت عمرؓ نے ایک مجنونہ عورت کو زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے حدیث کی روشنی میں حضرت عمرؓ کو توجہ دلائی کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کیا۔

فارسلها فجعل یکبر ⁘ (حضرت عمرؓ) نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور اللہ اکبر کہنے لگے۔

{ابوداؤد جلد۲ صـ۲۵۶}

یہاں بھی امام نے مقلد کی بات مان لی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تقلید نہیں کی بلکہ ان کے فیصلہ کو حدیث کے خلاف سمجھتے ہوئے اس پر تنقید کی۔

(د) عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

أما تخافون أن تعذبوا أو یخسف بکم أن تقولوا قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وقال

کیا تم لوگ ڈرتے نہیں کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا تم زمین میں دھنسا دیئے جاؤ جبکہ تم یہ کہتے ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

فلان {دارمی جزء اوّل ص۴۴ وسندہ صحیح} نے یہ فرمایا ہے اور فلاں نے یہ کہا ہے۔

اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حدیث کے مقابلہ میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ تقلید سے روکتے تھے اور ڈراتے تھے۔

(۶) **آخری اور فیصلہ کن جواب**:۔ بقول تقی صاحب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ معلوم نہیں کہ میں تم میں کب تک زندہ رہوں تو میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتدا کرنا یعنی تقلید کرنا۔ اگر تقی صاحب کی بات کو صحیح مان لیا جائے تو اس حدیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید بھی آپ کی زندگی تک تھی، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرے بعد ان دونوں کی تقلید کرنا۔ اگر آپ کی تقلید دائمی ہوتی تو آپ ایسا کیوں فرماتے۔ تقی صاحب کیا آپ کو یہ تسلیم ہے؟ اگر آپ اسے تسلیم کرلیں تو پھر وہی بات ہے جو منکرینِ حدیث کہا کرتے ہیں آخر اُن میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟ صرف اتنا کہ آپ رائے کے مقابلہ میں بعض احادیث چھوڑتے ہیں وہ کُل حدیثیں چھوڑ دیتے ہیں۔

خلاصہ | الغرض اس حدیث سے تقلید ثابت کرنا صحیح نہیں۔ اس حدیث میں خلافت کی طرف اشارہ ہے اور یہی صحیح ہے۔

غلط فہمی | چنانچہ تقلید کی دو قسمیں (مطلق اور شخصی) ہم نے بیان کی ہیں۔ عہدِ رسالت اور صحابہ میں ان دونوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ جس کی بہت سی نظیریں حدیث اور تاریخ کے ذخیرہ میں ملتی ہیں۔ (فاران ص۱۵)

ازالہ | عہدِ رسالت میں تقلیدِ شخصی رائج تھی تو کس کی؟ کیا اب بھی اس امام کی تقلید ہو سکتی ہے یا نہیں؟

کیا عہدِ رسالت میں بھی مقلدین یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم قرآن و حدیث کی براہِ راست

اتباع نہیں کرتے بلکہ اپنے امام کی اتباع کرتے ہیں۔ اس نے جو کہدیا وہی صحیح ہے۔ کیا حدیث پیش کرنے پر بھی وہ اپنے امام کے مسئلہ سے باز نہیں آتے تھے؟ کیا خود رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی مقلّد سے کچھ فرماتے تو وہ یہ کہدیا کرتا تھا کہ میں آپ کی بات تسلیم نہیں کرسکتا میں تو مقلّد ہوں، میں تو صرف اپنے امام کی بات تسلیم کرونگا۔ اگر آپ کو اپنی بات منوانی ہے تو میرے امام کے توسّط سے اپنی بات منوا لیئے۔ یقیناً یہ چیز اُس وقت نہیں تھی۔ لہٰذا تقی صاحب کا یہ کہنا کہ عہدِ رسالت میں تقلیدِ شخصی رائج تھی قطعاً صحیح نہیں۔

غلط فہمی تقلیدِ مطلق کے ساتھ عہدِ صحابہؓ بلکہ عہدِ رسالت میں بھی تقلیدِ شخصی کی مثالیں ملتی ہیں:۔

(۱) صحیح بخاری میں حضرت عکرمہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
"اہلِ مدینہ نے حضرت ابن عبّاسؓ سے اُس عورت کے بارے میں سوال کیا جو طوافِ فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو (کہ وہ طوافِ وداع کیلئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا اس سے طواف ساقط ہو جائے گا اور بغیر طواف کئے واپس آنا جائز ہوگا) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جاسکتی ہے۔ اہلِ مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابتؓ کے خلاف عمل نہیں کریں گے (صحیح بخاری) اور فتح الباری میں بحوالہ ثقفی اسی واقعہ میں اہلِ مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابتؓ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں ہوسکتی"۔

نیز فتح الباری ہی میں مسندِ ابو داؤد طیالسی کے حوالہ سے بروایت

قتادہؒ اس واقعہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں :-

" انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابتؓ کے خلاف قول میں آپ کی اتباع نہ کریں گے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ اُم سُلیمؓ سے دریافت کریں کہ جو جواب میں نے دیا ہے وہ درست ہے "۔

اس واقعہ میں اہلِ مدینہ اور حضرت ابن عباسؓ کی گفتگو سے دو چیزیں وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اہلِ مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلیدِ شخصی کرتے تھے اور ان کے قول کے مخالف کسی قول پر عمل نہیں کرتے تھے۔ مذکورہ واقعہ میں ان حضرات نے ابن عباسؓ کے فتوٰے پر عمل نہ کرنے کی اس کے سوا کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ وہ حضرت زیدؓ کے فتوٰے کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان حضرات پر یہ اعتراض نہیں فرمایا کہ تم تقلید کیلئے ایک شخص کو معین کرکے گناہ یا شرک کے مرتکب ہو رہے ہو۔ بلکہ انہیں حضرت اُم سُلیمؓ سے مسئلہ کی تحقیق کرکے حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف دوبارہ مراجعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مطابق حضرت اُم سُلیمؓ سے واقعہ کی تحقیق کرکے دوبارہ حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف مراجعت کی جس کے نتیجے میں حضرت زیدؓ نے مکرر حدیث کی تحقیق فرما کر اپنے سابقہ فتوٰے سے رجوع فرمالیا۔ (فاران ص ۱۵-۱۶)

ازالہ تقی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ باتیں ثابت ہوئیں :-

(۱) اہلِ مدینہ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے فتوٰے پر اعتماد نہیں کیا یعنی اُن کی تقلید نہیں کی بلکہ تحقیق کیلئے ابن عباسؓ کے پاس پہنچے۔ کیونکہ اپنے امام کے فتوٰے کی تحقیق کے لئے دوسرے امام کے پاس جانا تقلید نہیں بلکہ تحقیق ہے، لہٰذا یہ روایت تقلید کی تردید کرتی ہے نہ کہ تائید۔

(۲) ابن عباسؓ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ تم مقلد ہو لہٰذا تمہیں تحقیق کی ضرورت نہیں بلکہ مزید تحقیق کیلئے ارشاد فرمایا۔ گویا تقلید کے پرخچے اڑا دیئے۔

(۳) ان حضرات نے بھی تحقیق میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بلکہ مدینہ منورہ پہنچتے ہی اُمِ سُلیمؓ وغیرہا سے دریافت کیا اور خود ہی رجوع نہیں فرمایا بلکہ اپنے امام کی بھی اصلاح کی۔ کیا مقلد ایسا کرسکتا ہے کہ تحقیق کرتا رہے اور اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک مسئلہ کی دلیل واضح طور پر سامنے نہ آجائے اور پھر تحقیق شدہ مسئلہ کو اپنے امام سے بھی منوانے کی کوشش کرے۔ یہ سب کچھ تقلید کی تردید ہے ہمارے لئے یہ امدادِ غیبی ہے کہ تقی صاحب نے ایسی دلیل پیش کی کہ جو خود اُن کی تردید کرتی ہے۔

(۴) اس واقعہ سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ زید بن ثابتؓ کی ہر بات مانتے تھے، بلکہ یہ تو ایک ناگہانی واقعہ تھا جس میں اُنہوں نے دونوں سے مسئلہ دریافت کیا۔ ابوداؤد طیالسی کی جو عبارت تقی صاحب نے نقل نہیں فرمائی اُس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:۔

اختلف ابن عباسؓ و زید بن ثابتؓ فی المرأة إذا حاضت وقد طافت بالبیت یوم النحر فقال زیدؓ یکون آخر	ابن عباسؓ اور زیدؓ میں اس عورت کے بارے میں اختلاف ہوا جس کو نحر کے دن طواف کرنے کے بعد اذیتِ ماہانہ شروع ہوجائے۔ زیدؓ نے

عھدھا بالبیت وقال ابن عبّاسؓ تنفر اذا شاءت۔ {ابوداؤد طیالسی ص ۲۲۹}	فرمایا کہ اس کو آخر میں طواف کرنا چاہیئے، ابن عباسؓ نے فرمایا وہ جب چاہے جا سکتی ہے۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ یہ اتفاقی امر تھا کہ اہلِ مدینہ نے دونوں حضرات سے مسئلہ پوچھا۔ دونوں میں اختلاف ہوا۔ حضرت زیدؓ کی بات شبہ سے دُور تھی اور ابن عباسؓ کے فتوٰے میں شبہ تھا کہ معلوم نہیں کہ طواف وداع جو ایک رُکن ہے اُس کو چھوڑنا جائز ہے یا نہیں۔ زیدؓ کی بات ماننے سے تو حج پُورا ادا ہوتا تھا۔ ابن عباسؓ کے فتوٰے سے حج ناقص رہتا معلوم ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے مشتبہ چیز کو چھوڑ دیا اور یقینی چیز کو نہ چھوڑا۔

(۵) اب ہم اس واقعہ کی روشنی میں تقی صاحب سے ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا ایک حنفی مقلد کسی "شافعی عالم" سے کسی مسئلہ کی تحقیق کر کے اس مسئلہ سے رُجوع کر سکتا ہے؟ اگر وہ ایک مسئلہ میں تحقیق کر سکتا ہے تو پھر ہر مسئلہ میں تحقیق کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو وہ مقلد رہے گا یا محقق؟

(۶) دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اہلِ مدینہ اب بھی زید بن ثابتؓ کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟

غلط فہمی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کچھ لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھا پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا اور ان سے اس مسئلہ میں حضرت ابو موسیٰؓ کی رائے بھی ذکر کر دی گئی۔ حضرت عبداللہؓ نے جو فتوٰی دیا وہ فتوٰی حضرت ابو موسیٰؓ کے فتوٰے کے خلاف تھا۔ لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کے فتوٰے کا ذکر کیا تو انہوں

نے فرمایا" جب تک یہ متبحر عالم (یعنی حضرت ابن مسعودؓ) تم میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔"

حضرت ابو موسٰیؓ کے اس ارشاد سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے ہر مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا اور یہی تقلیدِ شخصی ہے کہ ہر مسئلہ میں کسی ایک ہی عالم سے رجوع کیا جائے۔

(فاران ص۱۶)

ازالہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو موسٰیؓ کا فتویٰ حدیث کے خلاف تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس فتوے کے مطابق فتویٰ دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا" لقد ضللت اذاً وما أنا من المهتدين۔" اگر میں بھی یہی فیصلہ کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور میں ہدایت والوں میں سے نہ ہوں گا۔ (صحیح بخاری جزء ۸ ص۱۸۸) پھر ابن مسعودؓ نے حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔ کیونکہ ابو موسٰیؓ کو احادیث سے اتنی واقفیت نہیں تھی جتنی کہ عبداللہؓ کو، لہٰذا اُنہوں نے علمِ حدیث کی زیادتی کی بناء پر یہ کہدیا کہ جب تک یہ عالم تم میں موجود ہیں تم مجھ سے نہ پوچھنا۔ گویا اُنہوں نے حدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا تھا نہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کی طرف، اور جب حدیث کی طرف رجوع کا حکم دیا تو تقلید ختم ہو گئی۔

(۲) ابو موسٰیؓ نے یہ نہیں کہا کہ ابنِ مسعودؓ کے علاوہ تم کسی سے نہ پوچھنا، اور جب یہ نہیں کہا تو تقلید کی دلیل نہیں ہوئی۔

(۳) ابو موسٰیؓ نے اپنی تقلید سے منع کر دیا تو کیا اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ ابو موسٰیؓ تو تقلید کے قابل نہ تھے لیکن بعد کے ائمہ اس قابل تھے۔ کیا آپ اس کے قائل ہیں؟

(۴) ابو موسٰیؓ نے تو یہ کہا تھا کہ مجھ سے مت پوچھنا جب تک یہ تم میں موجود ہیں۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان کی عدم موجودگی میں یا انتقال کے بعد مجھ سے پوچھ سکتے ہو۔

یہ بھی تقلید نہیں ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ اس سے زندہ یا موجودہ امام کی تقلید ثابت ہوگی اور آپ اس سے فوت شدہ کی تقلید ثابت کرنا چاہتے ہیں، اور یہ محال ہے۔

(۵) اگر بقول آپ کے اس واقعہ سے ابن مسعودؓ کی تقلید ثابت ہوتی ہے تو کیا آپ ان کی تقلید کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس سے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کیسے ثابت ہوگی؟ کیا اُس زمانہ کے لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کی تقلید غلط مسائل میں بھی کرتے تھے؟ مثلاً رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر رانوں کے درمیان رکھنا۔ سجدہ میں ہاتھوں کا بچھا دینا وغیرہ وغیرہ، اگر وہ لوگ غلط مسائل میں ان کی تقلید نہیں کرتے تھے تو موجودہ تقلید میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

غلط فہمی | عن معاذ بن جبلؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ إلی الیمن قال کیف تقضی إذا عرض لك قضاء قال أقضی بکتاب اللہ قال فإن لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فإن لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتهد برأیی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو یہ پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کروگے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو؟ تو عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے، عرض کیا کہ میں اُس وقت اجتہاد و استنباط کرکے اپنی رائے سے فیصلہ

عليه وسلم صدره وقال
الحمد لله الذی وفّق
رسول رسول الله صلے الله
عليه وسلم لما يرضى به
رسول الله ؟

کروں گا اور تلاشِ حق میں کوئی کسر
نہ چھوڑوں گا (معاذ فرماتے ہیں کہ)
آپ نے اس پر (فرطِ مسرت سے)
اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر
مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ
اُس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول
راضی ہے۔

یہ واقعہ تقلید و اجتہاد کے مسئلہ میں ایک ایسی شمعِ ہدایت ہے کہ اس پر جتنا غور کیجئے اس مسئلہ کی گتھیاں سلجھتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں ہمیں اس واقعہ کے صرف ایک پہلو پر توجہ دلانا مقصود ہے اور وہ یہ کہ آپ نے اہلِ یمن کے لئے اپنے فقہاء صحابہؓ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور اُنہیں حاکم و قاضی معلم و مجتہد بنا کر اہلِ یمن پر لازم کر دیا کہ ان کی اتباع کریں۔ انہیں صرف قرآن و سنت پر ہی نہیں بلکہ قیاس و اجتہاد کے مطابق فتوے صادر کرنے کی اجازت فرمائی۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ آپ نے اہلِ یمن کو اُن کی تقلیدِ شخصی کی اجازت دی بلکہ اس کو اُن کے ذمہ لازم فرمایا۔ (فاران ص ۱۶-۱۷)

ازالہ حدیث پیش کرنے سے پہلے یہ تو دیکھ لیا ہوتا کہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ حدیث نہ روایتاً صحیح ہے نہ درایتاً۔

سند پر بحث قال الترمذی
لانعرفہ الا من هذا الوجه

امام ترمذی فرماتے ہیں ہم اس کی
کوئی اور سند نہیں پہچانتے اور

ولیس اسنادہ عندی بمتصل {ترمذی جلد ۱ ص۱۴۳}	اس کی سند میرے نزدیک متصل نہیں ہے۔

امام جوزقانی فرماتے ہیں:

ھٰذا حدیث باطل	یہ حدیث باطل ہے ......
سألت من لقیتہ من اھل العلم بالنقل عنہ فلم اجد لہ طریقاً غیر ھٰذا والحارث بن عمرو ھٰذا مجھول واصحاب معاذ من اھل حمص لا یعرفون ومثل ھٰذا الاسناد لا یعتمد علیہ فی اصل من اصول الشریعۃ۔	میں جن جن اصحاب الحدیث سے ملا اُن سے اس کے متعلق دریافت کیا لیکن اس کا کوئی طریقہ سوائے اس طریقہ کے نہ مل سکا۔ اس کی سند میں حارث بن عمرو مجہول ہے اور معاذؓ سے بیان کرنے والے اہلِ حمص بھی مجہول ہیں اور ایسی سند پر اصولِ شریعت کے معاملہ میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

{مرقاۃ الصعود حاشیہ ابوداؤد جلد ۲ ص۱۴۹}

بتائیے جب یہ حدیث ہی باطل ہے تو اس کو پیش کرنے سے فائدہ؟

درایتاً بحث | اس حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کا حل احادیث میں اُس وقت تلاش کرے جب قرآن مجید میں نہ ہو۔ اور یہ قطعاً صحیح نہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ	ان عورتوں کے علاوہ تم پر سب عورتیں حلال ہیں۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ پھوپی بھتیجی اور خالہ بھانجی ایک ساتھ نکاح میں آسکتی

ہیں کیونکہ قرآن مجید نے صرف دُو بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا اور پھر کھُلی اجازت دیدی اور جب اس مسئلہ کا حل قرآن مجید میں مل گیا تو حدیث دیکھنے کی کیا ضرورت ہے ؟

اسی طرح سے شادی شدہ زانی کی سزا قرآن مجید کے مُطابق صرف سَو کوڑے ہیں اور جب یہ سزا قرآن مجید میں مل جائے تو حدیث میں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ جب قرآن مجید میں نہ ہو تو حدیث میں دیکھنا چاہیئے۔ اس کے یہ معنٰی ہوئے کہ سنگسار کی سزا کالعدم ہو جائیگی۔ یہی نہیں بلکہ اس قسم کے متعدد مسائل میں ایسی غلطیاں ہوں گی جو حنفی مذہب میں بھی جائز نہیں۔ لہٰذا یہ روایت درایتاً بھی باطل ہے۔

اگر صحیح ہو تو بھی تقلید ثابت نہیں ہوتی

(۱) حدیث میں گورنر کے فیصلہ کا ذکر ہے نہ کہ کسی عالم کے فیصلہ کا۔ آپ کے فقہا، کہاں کے گورنر تھے کہ انہیں فیصلوں کی ضرورت پیش آئی۔

(۲) گورنر یا قاضی کا فیصلہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے مجبور ہوتا ہے برخلاف اس کے آپ کے مجتہد کا فتوٰی قانونِ ابدی کی حیثیت رکھتا ہے۔ قاضی کا وقتی فیصلہ قانون نہیں بنتا، بلکہ مجبوراً اسے ہنگامی طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ لیکن فقہاء کے فتوے قانون بن جاتے ہیں اور انہیں قیامت تک کیلئے مقلدین پر لازم کر دیا جاتا ہے۔ یہ شریعت سازی ہے اور یہ شرک ہے۔

(۳) گورنر کا فیصلہ صرف نظیر کا کام دے سکتا ہے۔ لیکن آپ کے فقہاء کے فتوے نظیر کا کام نہیں دیتے بلکہ وہ خود بحیثیت قانون کے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہی شرک فی الشریعت ہے۔

(۴) کیا حضرت معاذؓ کی تقلید اب بھی یمن میں ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو پھر اس اصول سے کسی فوت شدہ امام کی تقلید کیسے ثابت ہو گی ؟

(۵) کیا آپ حضرت معاذؓ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت معاذؓ نے مسلم کو کافر کا وارث قرار دیا تھا اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی تھی :۔

الاسلام یزید ولا ینقص {ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۴۷ و صفحہ ۴۴ وسندہ صحیح}
اسلام زیادہ کرتا ہے، کم نہیں کرتا۔

کیا ان کا یہ فیصلہ آپ کو تسلیم ہے۔ اگر نہیں تو کسی دوسرے فوت شدہ امام کے فیصلہ کو یہ وقعت کیوں دیجاتی ہے کہ اگر اس کے خلاف کوئی حدیث ہو تو وہ حدیث نہ مانی جائے؟

مزید غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ اس واقعہ کے سلسلہ میں تقی صاحب کو مندرجہ ذیل مزید غلط فہمیاں لاحق ہوئی ہیں :۔

(۱) وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے گتھیاں سلجھتی ہیں، حالانکہ اُلجھنیں اور بڑھ گئیں۔

(۲) اُنہوں نے لکھا ہے کہ صرف حضرت معاذ ہی کو یمن بھیجا گیا۔ حالانکہ حضرت ابو موسیٰؓ کو بھی یمن کے ایک علاقہ پر گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا اور اُنہوں نے ایک موقع پر حضرت معاذؓ کا استقبال کیا تھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت معاذؓ کے پہنچنے کے بعد ایک مرتد کو قتل کیا تھا (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۵ کتاب الحدود) گویا حضرت ابو موسیٰؓ قاضی بھی تھے گورنر بھی تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کو بھی قاضی بنا کر یمن روانہ کیا گیا تھا (ملاحظہ ہو ابو داؤد کتاب القضاء)

خلاصہ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث نہ درایتاً صحیح ہے نہ روایتاً۔ لہٰذا حجت نہیں۔

دوم۔ اس میں عارضی و ہنگامی فیصلوں کا ذکر ہے نہ کہ دائمی قانون سازی کا۔ آپ کے فقہاء تو یہ کرتے تھے کہ پہلے سوال گھڑتے تھے اور پھر اس کا جواب گھڑتے تھے اور اس طرح شریعت سازی کرتے چلے گئے۔ بلکہ انہوں نے تو ایسے ایسے مسائل گھڑے جو قطعاً

ناممکن الوقوع تھے مثلاً "فقہاء کا قول ہے کہ اگر مخنث اپنے آپ سے جماع کرے اور اس کے ہاں بچہ ہو تو وہ بچہ کس حیثیت سے مخنث کا وارث قرار پائے گا۔ کیا اس کی حیثیت والد کی ہوگی یا والدہ کی، یا دونوں کی۔ اور اگر اس کے ہاں دو بچے پیدا ہوں، ایک شکم سے اور دوسرا پُشت سے تو دونوں میں کوئی بھی وارث نہیں ہوگا کیونکہ وہ شکم اور پُشت میں جمع نہیں ہوئے۔

(حیات امام ابو حنیفہ از محمد ابو زہرہ)

غلط فہمی لیکن خدا رحمتوں کے مینہ برسائے ہمارے بعد کے فقہائے مجتہدین پر جو اپنے اپنے زمانہ کے نبض شناس تھے اور جنہیں اللہ تعالےٰ نے زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات پر نگاہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی تھی اُنہوں نے بعد میں ایک زبردست انتظامی مصلحت سے تقلیدِ مطلق کا دروازہ بند کر دیا۔ (فاران ص۱۱)

ازالہ کیا اللہ تعالیٰ کو اس انتظامی مصلحت کا علم نہیں تھا؟ اُس نے دین کامل کر دیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ تقلید مطلق کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

(۲) جو چیز اللہ نے حلال کی تھی اُس کو فقہاء نے حرام کر دیا۔ کیا یہ اختیار فقہاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں تبدیلیاں کرتے رہیں، کیا وہ شارع تھے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو اسی سلسلہ میں ہدایت نہیں کی تھی۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم)	اے نبی تم کیسے حرام کرتے ہو اُس چیز کو جس کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیا

جب نبی بھی حلال کو حرام نہیں کر سکتا تو فقہاء کیسے کر سکتے ہیں۔ کیا یہ شرک فی التشریع نہیں؟ افسوس کہ انسداد خواہش پرستی کے پردے میں آپ نے تقلیدِ شخصی کو لازم قرار دیدیا، مبادا کہیں خواہش پرستی کی وجہ سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال

کر دیا جائے لیکن جو کام خواہش پرستی نہ کرسکی وہ اس تقلید نے کیا کہ "تقلیدِ مُطلق" جو حلال تھی اُس کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا۔

نوٹ: "تقلید مُطلق" کی تعریف تقی صاحب کی اصطلاح میں یہ ہے کہ کوئی جاہل کسی بھی عالِم سے مسئلہ پوچھ لے۔ کسی عالِم کو متعین نہ کرے۔

غلط فہمی فقہاء کرام نے محسوس فرمایا کہ دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے۔ احتیاط اور تقوٰی اُٹھتے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر تقلیدِ مُطلق کا دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا۔ تو بہت سے لوگ جان بُوجھ کر اور بہت سے غیر شعوری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (فاران ص ۱۷-۱۸)

ازالہ یہ غلط فہمی اور سُوءِ ظنی ہے۔ کیا کوئی مؤمن ایسا کر سکتا ہے؟ تقی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ تقلیدِ شخصی اُس کو خواہش پرستی سے روک دیگی۔ افسوس ہے کہ تقی صاحب نے یہ خیال نہیں کیا کہ اتباعِ رسُول اس سے زیادہ خواہش پرستی کی مانع ہو گی۔ اس لئے کہ اس کو چھوڑ کر کہیں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رسول کا کلمہ اُس نے پڑھا ہے لہٰذا رسُول کی ہدایت خواہش پرستی کے لئے زیادہ رکاوٹ ثابت ہو گی۔ نہ کہ اس شخص کی تقلید جس کا وہ کلمہ نہیں پڑھتا۔ جس کی بات کو رد کر دینے سے ایمان نہیں جاتا۔

غلط فہمی علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اسی چیز کی شناعتوں کو تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ لوگ ایک وقت اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اس کی جو اسے درست قرار دیتا ہے اور اس طرح کا عمل باتفاقِ امت ناجائز ہے۔" (فاران ص ۱۸)

ازالہ علامہ ابن تیمیہ نے یہ بات مسلمین کے متعلق نہیں لکھی بلکہ مقلدین کے متعلق لکھی ہے کہ یہ لوگ اپنی خواہش کو پُورا کرنے کیلئے کبھی کسی امام کی تقلید کرتے ہیں اور کبھی

کسی کی۔ لیکن مسلم جس کے نزدیک چاروں مذہب ناحق ہیں اور جو صرف اتباعِ رسُول ہی کا متوالا ہے وہ کسی ایسے مسئلہ کو کیسے مان سکتا ہے جو رسُول سے ثابت نہ ہو۔ وہ کسی دوسرے قول کو صحیح ہی نہیں سمجھتا کہ اس طرف رُخ کرے، للٰذا وہ بالکل مقید ہے نہ کہ مقلد کی طرح آزاد جو چاروں مذاہب کو حق پر سمجھتے ہوئے کسی پر بھی عمل کرنے کو جائز سمجھتا ہے۔ گویا یہ تقلید کی ایک بُرائی ہے کہ وہ اس قسم کی خواہش پرستی میں مبتلا کرتی ہے۔ تقی صاحب اس کو عدم تقلید کی بُرائی سمجھ رہے ہیں۔ واضح رہے کہ چاروں امام تو برحق ہیں لیکن یہ اُن کے نام سے منسوب کردہ مذاہب خودساختہ اور باطل ہیں۔

تقلید سے خواہش پرستی پھیلتی ہے | مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ تقلید کی وجہ سے خواہش پرستی وجود میں آتی ہے۔ جو شخص کسی کی تقلید نہیں کرتا وہ ڈگمگاتا نہیں بلکہ جو کچھ قرآن وحدیث سے ملتا ہے اُسی کو حق سمجھتا ہے۔

تقلید گمراہی پھیلاتی ہے | اس زمانہ میں جبکہ طرح طرح کے فتنے پھیلے ہوئے ہیں ہر شخص اپنی رائے پر ناز کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اللہ کے نام سے بیان کرتا ہے یہ بہت ضروری ہے کہ تقلید کو حرام سمجھا جائے اور ہر فتویٰ دینے والے سے دلیل پوچھی جائے۔ اس طرح وہ گمراہی جو کسی کی رائے کی وجہ سے پھیلنے والی ہوگی دفعتہً رُک جائے گی کیونکہ وہ اپنی رائے کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل نہیں پیش کر سکے گا۔ غرض یہ کہ جس مصلحت سے تقلید کو شروع کیا گیا تھا اُسی مصلحت سے تقلید کو حرام سمجھنا ضروری ہے۔ بہرحال یہ اپنی اپنی پسند ہے۔ کوئی دلائل کی معرفت کو پسند کرتا ہے اور کوئی جہالت کو۔

غلط فہمی | اس سلسلہ میں علماء اُمت کی تصریحات بے شمار ہیں۔ ہم نے صرف حافظ ابن تیمیہؒ کے کلام کو نقل کرنے پر اس لئے اکتفاء کیا ہے کہ جو حضرات تقلید کے

قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک ان کا علمی پایہ بلند مسلّم ہے اور وہ بہت سے معاملات میں ان کی اتباع فرماتے ہیں۔ (فاران ص۱۸-۱۹)

ازالہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ مقلدین کی برائی میں لکھا ہے کہ کبھی کسی کی اور کبھی کسی کی تقلید کرتے ہیں اور اس طرح تقلید کو اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ ہمیں علامہ ابن تیمیہؒ کی بات سے اتفاق ہے۔ بیشک یہ تقلید ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ اس قسم کی باطل باتوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہؒ کا علمی پایہ بہت بلند ہے۔ ان کے علمی اور تبلیغی کارنامے نہایت درخشاں اور لائقِ تحسین ہیں لیکن یہ قطعاً صحیح نہیں کہ ہم ان کا اتباع کرتے ہیں۔ ہم کسی ایک مسئلہ میں بھی اُن کی پیروی نہیں کرتے، بلکہ ہم تو براہِ راست اتباعِ رسولؐ کرتے ہیں۔ یہ بہت سخت قسم کا الزام ہے جو ہم پر لگایا گیا ہے۔ ہم کسی کے علم سے مرعوب ہو کر اُس کی تقلید اور شخصیت پرستی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ ان کی علمیت اپنی جگہ پر لیکن دین میں صرف اللہ کی بات سند ہے جو اُس کے رسُول کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور بس۔

غلط فہمی صحابۂ کرامؓ اور تابعین کے دَور میں دیانت عام تھی جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے اُن کی نفسانیت اس قدر مغلوب تھی کہ خصوصاً شریعت کے احکام میں انہیں اتباعِ ہوٰی کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے تقلیدِ مطلق اور تقلیدِ شخصی دونوں پر ان حضرات کے دَور میں عمل ہوتا تھا۔ (فاران ص۱۹)

ازالہ صحابہؓ اور خصوصاً تابعین کے دور میں طرح طرح کے فتنے پھیل چکے تھے مثلاً سبائی فتنہ، خوارج کا فتنہ۔ تابعین ہی کا وہ دَور ہے جس میں اکثر حدیث گھڑنے والے پیدا ہوئے اور اس زمانہ میں بہ نسبت بعد کے زمانہ کے ان لوگوں کی کثرت تھی۔ یہی وجہ ہے

کہ اس زمانہ میں فنِ حدیث پر خاص توجہ دی جانے لگی۔ جب حالات یہ تھے تو اس زمانہ میں تقلید کی زیادہ ضرورت تھی لیکن پھر بھی تقلید وجود میں نہیں آئی تو اِس زمانہ میں تو اس کی بالکل ہی ضرورت نہیں ہے۔ تقی صاحب کا یہ فرمانا کہ تقلیدِ شخصی پر ان حضرات کے دَور میں عمل ہوتا تھا قطعاً صحیح نہیں، اس کی تردید پہلے ہو چکی ہے اور کچھ اور ان ہی کے قلم سے آگے آ رہی ہے۔

غلط فہمی | شاہ ولی اللہ قدس سرّہٗ فرماتے ہیں:-

"یاد رکھئے پہلی اور دوسری صدی میں تقلید کا رواج نہ تھا پھر دوسری صدی کے بعد تقلیدِ شخصی پر عمل شروع ہوا اور اس زمانہ میں یہی چیز واجب تھی۔" (فاران ص۱۹)

ازالہ | پہلے تقی صاحب یہ لکھ چکے ہیں کہ صحابہؓ، تابعین بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تقلیدِ شخصی جاری تھی اور اب ص۱۹ پر یہ تحریر فرما رہے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں تقلید کا رواج نہ تھا۔ معلوم نہیں کونسی بات صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسری ہی بات صحیح ہے۔ قرونِ اولیٰ میں تقلید کا رواج نہیں تھا۔

غلط فہمی | اس پر بعض حضرات کو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک چیز عہدِ صحابہؓ و تابعین میں تو ضروری نہ ہو پھر بعد میں اُسے ضروری قرار دیدیا جائے۔ اس کا تسلی بخش جواب دیتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کتنی اچھی بات تحریر فرماتے ہیں۔ "لیکن واجب کے ادا کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہو تو وہی راستہ واجب ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر کوئی جاہل انسان ہندوستان یا ماوراء النہر کے کسی ایسے علاقہ میں ہو جہاں نہ کوئی شافعی، مالکی، حنبلی عالم ہے اور نہ ان مذاہب کی کتابیں پائی جاتی ہیں تو

اس کے لئے امام ابو حنیفہؒ کی تقلید ہی واجب ہو جائے گی۔

(فاران ص ۲۰)

ازالہ شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت میں ایک اضطراری حالت کا بیان ہے۔ اگر کچھ کھانے کو نہ ملے تو سُور بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حق نہ ملتا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کی تقلید ہی کر لے۔ لیکن جس طرح سور کو حلال سمجھنا صحیح نہیں اسی طرح تقلیدِ امام کو حلال سمجھنا بھی صحیح نہیں۔ اضطراری کیفیت ختم ہوتے ہی وہ پھر بدستور حرام ہو جائے گی۔

غلط فہمی حضرت شاہ صاحب ایک اور جگہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وھذہ المذاھب الأربعة	یہ چار مذاہب جو مدون ہو کر
المدونة المحررة قد	تحریری شکل میں موجود ہیں ان
أجمعت الأمّة علی جواز	کی تقلید کے جائز ہونے پر تمام
تقلیدھا إلی یومنا ھذا	اُمت کا اجماع ہے اور اس
وفی ذٰلك من المصالح	میں جو مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ
ما لا یخفی لا سیما فی ھذہ	نہیں رہ سکتیں۔ بالخصوص اس
الایام التی قصرت الھمم	زمانہ میں جبکہ ہمتیں پست
جدًا وأشربت النفوس	ہو چکی ہیں۔ خواہش پرستی لوگوں
الھوٰی وأعجب کل ذی	کی گھٹی میں پڑ گئی ہے اور ہر ایک
رأی برأیه وماذھب	صاحب رائے اپنی رائے پر
ابن حزم من أن التقلید	گھمنڈ کرنے لگا ہے اور ابن حزمؒ

حرام غلطؒ ؛ (فاران ص۲)   کی یہ بات غلط ہے کہ تقلید حرام ہے

ازالہ یہ صحیح نہیں کہ ان چار مذاہب کی تقلید کے جواز پر اُمت کا اجماع ہے یعنی صحابۂ کرامؓ سے لے کر قیامت تک کے سب مسلم اس کے جائز ہونے کے قائل ہیں، دورِ صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین بلکہ چار سو سال تک یہ مذاہب مدوّن نہیں ہوئے تھے بلکہ وجود ہی میں نہیں آئے تھے تو کس طرح ان زمانوں کے لوگ ان کی تقلید کے جائز ہونے پر متفق تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں لفظ "غلط" نہیں ہے۔ معلوم نہیں تقی صاحب نے اسے کہاں سے نقل کیا ہے۔ بلکہ شاہ صاحب تو خود علامہ ابن حزمؒ کی تائید کرتے ہیں نہ کہ تردید۔

شاہ صاحب کی مندرجہ بالا نامکمل عبارت سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان چاروں مذاہب کی تقلید کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تقلید میں مصلحتیں ہیں۔ حالانکہ شاہ صاحب کا یہ مطلب نہیں۔ مندرجہ بالا عبارت سے پہلے اور بعد کی عبارتیں اس کی تردید کرتی ہیں۔ اس عبارت سے پہلے شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔

ومما یناسب ھذا المقام	اس مقام کے مناسب یہ ہے کہ
التنبیہ علیٰ مسائل ضلت	ان مسائل سے لوگوں کو آگاہ کر دیا
فی بوادیھا الأفہام وزلت	جائے کہ جن کے صحراؤں میں افہام
الأقدام وطغت الأقلام۔	بھٹک گئے۔ قدم لغزش کھا گئے
منہا ھذہ المذاھب الاربعۃ	اور قلموں نے کج روی کی۔ ان میں
المدوّنۃ المحررۃ ؛	سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہ مذاہب اربعہ
(حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول ص۳۶۱)	جو مدوّن ہو چکے ہیں اور تحریر میں

آ چکے ہیں وغیرہ وغیرہ

اس کے آگے شاہ صاحب کی وہی عبارت ہے جو تقی صاحب نے نقل فرمائی ہے. سوائے اس فرق کے کہ اس کے آخر میں لفظ "غلط" نہیں ہے جس کو تقی صاحب نے نقل فرمایا ہے۔

شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ تقلید جائز ہے اور اس میں مصلحتیں ہیں اور یہ کہ اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے تو یہ سب کچھ غلط فہمی ہے۔ افہام بہک گئے ہیں، قلموں نے لغزش کی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شاہ صاحب جس چیز کی تردید کر رہے ہیں تقی صاحب شاہ صاحب کی عبارت سے اس کی تائید کرتے ہیں اور پھر لفظ "غلط" نہ معلوم کہاں سے اضافہ کر دیتے ہیں۔

اب بعد کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

إنما يتم فيمن له ضرب	ابن حزم کا یہ فرمانا اس شخص کے حق میں
من الاجتهاد ولو في مسألة	بھی پورا ہو سکتا ہے جس کو اجتہاد کی
(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ٣٦٢)	کسی قدر قوت حاصل ہو اگرچہ ایک

ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو۔

شاہ صاحب تو امام ابن حزم کی تائید کر رہے ہیں گویا اگر ایک مسئلہ میں بھی اجتہاد کر سکتا ہے تو بقول امام ابن حزم اور بتائید شاہ صاحب تقلید حرام ہے۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے شیخ عز الدین ابن عبد السلام کا قول نقل کیا ہے۔

إلى ان ظهرت هذه المذاهب	(لوگ بغیر تقلید کے کسی بھی عالم
ومتعصبوها من المقلدين فانّ	سے مسئلے پوچھتے رہے) یہاں تک کہ
احدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه	ان مذاہب اور ان کے متعصب
عن الادلة مقلدًا له فيما قال كأنه	مقلدین کا ظہور ہوا پس درحقیقت

نَبِیٌ اُرسِلَ ۔ ان میں سے ہر شخص اپنے امام کا مقلد بن کر اس کی ایسی پیروی کرتا ہے گویا وہ نبی مرسل ہے۔

شاہ صاحب اس بحث کا خاتمہ ان الفاظ پر کرتے ہیں :-

فان بلغنا حدیث من الرسول	پس اگر ہم کو رسولِ معصوم کی حدیث
المعصوم الذی فرض اللہ	بہ سند صحیح معلوم ہو جائے جن کی
علینا طاعتہ بسند صالح	اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی
یدل علیٰ خلاف مذھبہ	ہے اور وہ حدیث اس مجتہد کے
وترکنا حدیثہ واتبعنا	مذہب کے خلاف ہو تو ایسی حالت
ذٰلک التخمین فمن اظلم	میں اگر ہم اس تخمینی بات کا
منا وما عذرنا یوم یقوم	اتباع کریں تو ہم سے زیادہ ظالم
الناس لرب العالمین ۔	کون ہو سکتا ہے اور جس روز لوگ
{ حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۶۶ }	رب العالمین کے سامنے حاضر ہونگے

تو اُس روز ہمارا کیا عُذر ہو سکتا ہے ؟

مندرجہ بالا عبارات سے ظاہر ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تقلید کے وجوب یا جواز کے قائل نہیں ۔ نہ اس بات کے قائل ہیں کہ تقلید پر اجماع ہو چکا ہے اور اس کے اختیار کرنے میں بہت سی مصلحتیں ہیں ۔ بلکہ وہ تو حدیث کے مقابلہ میں تقلیدی بات کو تخمینی کہہ رہے ہیں ۔

تقلید کے متعلق شاہ صاحب کا فیصلہ کُن بیان | شاہ ولی اللہ صاحب اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

دور فروع پیروی علمائے محدثین کہ	فروع میں علمائے محدثین کی پیروی

جامع باشند میان فقہ و حدیث	کرے کہ جو فقہ و حدیث میں جمع کرنے
کردن و دائماً تفریعات فقہیہ را	والے ہیں اور ہمیشہ فقہی مسائل کو کتاب
برکتاب و سنت عرض نمودن آنچہ	و سنت پر پیش کرے۔ جو موافق ہو
موافق باشد در خیر قبول آوردن والا	قبول کرے ورنہ کہنے والے پر رد
کالای بدبریش خاوند دادن، اُمت	کر دے۔ اُمت کو کسی وقت بھی اس
را ہیچ وقت از عرض مجتہدات برکتاب و	بات سے کہ مجتہدین کے فتووں کو
سُنت استغنا، حاصل نیست و سخن	کتاب سُنت پر پیش کیا جائے استغنا،
متقشفہ فقہار کہ تقلید عالمے را دست	حاصل نہیں اور اُن فقہا، کی خشک
آویز ساختہ تتبع سُنت را ترک	بات کو نہ سُنے جنہوں نے کسی ایک
کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات	عالم کی تقلید کو دستاویز بنا رکھا ہے
نکردن و قربت خدا جستن بدوری	اور سُنت کی پیروی ترک کردی اور
اینان۔ (وصیت نامہ ص ۲-۳)	نہ ایسے فقہار کی طرف التفات کرے

بلکہ ان سے دُور رہ کر اللہ کا قُرب تلاش کرے۔

مذکورہ بالا وصیت سے ثابت ہوا کہ شاہ صاحب تقلید کے حق میں ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ وہ تو فقہا، مقلدین سے دُور رہ کر اللہ تعالیٰ کا قُرب تلاش کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ تقلید کے متعلق شاہ صاحب کا یہ آخری اور حتمی فیصلہ ہے۔

"تقلید پر کچھ شبہات اور ان کے جواب" کے سلسلہ میں تقی صاحب کے بیان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

غلط فہمی | کہا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم نے بہ الفاظ ذیل تقلید کی مذمت کی ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ

مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ ○

اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں اُن کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اُن باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) بھلا اگر ان کے باپ دادے عقل و ہدایت نہ رکھتے ہوں تب بھی!؟

لیکن جو گذارشات ہم نے پچھلے صفحات میں پیش کی ہیں اگر ان کی روشنی میں بنظرِ انصاف غور کیا جائے تو یہ شبہ خود بخود دور ہو سکتا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے باپ داداؤں کی تقلید پر مذمت کے دو سبب بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو برملا رد کر کے انہیں نہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم اس کے بجائے اپنے باپ دادوں کی بات مانیں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کے وہ بزرگ عقل و ہدایت سے کورے تھے۔ (فاران ص ۲۰-۲۱)

ازالہ شافعی اس لئے شافعی ہے کہ وہ شافعی ماں باپ کے ہاں پیدا ہوا حنفی اس لئے حنفی ہے کہ اُس کے باپ دادا حنفی تھے۔ لہٰذا یہ تمام مقلدین اپنے آباء و اجداد کی روش پر چل رہے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ہمارے باپ دادا سے انتخابِ مذہب میں غلطی ہوئی یا نہیں؟ پھر یہ کہ تقلید، ائمۂ اربعہ کے کئی سو سال بعد شروع ہوئی لہٰذا مقلدین کے اجداد یعنی متقدمین تو تقلید سے مبرا تھے۔ یہ ان متقدمین اجداد کے بجائے اپنے متاخرین اجداد کی پیروی کر رہے ہیں جو گمراہی پر تھے۔ ائمۂ اربعہ نے اپنی تقلید

سے منع فرمایا تھا۔ ان متاخرین نے تقلید کو پکڑ لیا اور گمراہ ہو گئے۔ کیونکہ یہ مقلدین ان ہی متاخرین کی پیروی کر رہے ہیں لہٰذا یہ آبائی تقلید کر رہے ہیں، اور اسی کی مذمت آیتِ مذکورہ میں ہے۔ اب اگر ان کے سامنے قرآن یا حدیث پڑھی جائے تو یہی کہہ کر اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد اس کے خلاف کرتے آئے ہیں اور یہ کہ اُنہوں نے اپنے آباء واجداد کو اسی راستہ پر پایا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے امام ایسا کرتے آئے ہیں۔ ہم نے اُن کو اسی راستہ پر پایا۔ کیونکہ اماموں کو تو اُنہوں نے پایا ہی نہیں۔

غلط فہمی | ہم جس تقلید پر گفتگو کر رہے ہیں اُس میں یہ دونوں سبب مفقود ہیں۔ کوئی تقلید کرنے والا خدا اور رسولؐ کے احکام کو رد کر کے کسی بزرگ کی بات کو نہیں مانتا۔ (فاران ص۲۱)

ازالہ | بالکل یہی ہو رہا ہے۔ مثلاً پانچ رکعت وتر پڑھنے کے لئے کہا جائے تو آپ ہرگز اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔ حلالہ کا مسئلہ آپ کے ہاں جائز ہے حالانکہ حدیث کی رُو سے یہ قطعاً جائز نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

غلط فہمی | دوسرا سبب بھی ظاہر ہے کہ یہاں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس سے کوئی اہلِ حق انکار نہیں کر سکتا کہ جن ائمہ مجتہدین کی تقلید کی جاتی ہے اُن سے کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہ ہو مگر ہر اعتبار سے ان کی جلالتِ قدر ہر ایک کو مسلّم ہے۔ اس لئے اس تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا بڑے ظلم کی بات ہے۔ (فاران ص۲۱)

ازالہ | اس بات پر غور کیجئے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی بنا پر آباء واجداد کی تقلید حرام ہے۔ وہ علت سوائے اس کے اور کیا ہے کہ غلطی میں ان کی پیروی نہ کی جائے اور یہ علت

جہاں کہیں بھی پائی جائے گی تقلید حرام ہوگی۔ مثلاً کوئی مسئلہ یا چند مسئلے جو امام صاحب کی طرف منسوب ہیں غلط ہوں۔ یعنی ان مسائل کی حد تک امام صاحب صواب پر نہ ہوں تو کیا ان مسائل میں ان کی تقلید جائز ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ اور اگر ان مسائل میں بھی ان کی تقلید جائز ہو تو پھر اس میں اور کفار کی تقلید میں کیا فرق ہے۔ علت دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ "یعنی غلطی میں کسی کی پیروی کرنا"

غلط فہمی | بعض حضرات تقلید پر اس آیت کو چسپاں فرماتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ	انہوں نے اپنے علماء اور تارک
رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ	الدنیا زاہدوں کو اللہ کے بجائے
دُوْنِ اللّٰهِ	اپنا پروردگار بنا رکھا ہے۔

لیکن ہم پیچھے عرض کر چکے ہیں کہ کسی مجتہد کی تقلید اسے شارع یا قانون ساز سمجھ کر نہیں کی جاتی بلکہ اسے شارحِ قانون قرار دے کر کی جاتی ہے اسے اپنی ذات کے اعتبار سے واجب الاتباع قرار نہیں دیا جاتا بلکہ ان کی بیان کردہ تشریحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس تقلید کو کافروں کی تقلید سے کوئی نسبت نہیں۔ (فاران ص۲۱)

ازالہ | عقیدتاً تو کوئی بھی کسی کو شارع نہیں سمجھتا، نہ اس کا زبان سے اقرار کرتا ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ وہ عملاً کسی کو شارع بنا لیتا ہے اور بس یہی شرک ہے۔ کفارِ مکہ غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے لیکن انہوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ یہ الٰہ حقیقی ہیں، خالق ہیں، معبود حقیقی ہیں، قادرِ مطلق ہیں بلکہ ان کا صاف جواب یہی تھا:۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا	ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر
اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی { زمر }	اس لئے کہ وہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔

وہ صاف صاف کہتے تھے:۔

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ — یہ تو اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں

لیکن اس عقیدہ کے باوجود وہ عملی شرک کی وجہ سے مشرک قرار پائے۔ لہٰذا مقلد بھی اگر اپنے امام کو عقیدتاً شارع نہ بھی سمجھے پھر بھی عملاً وہ ان کو شارع سمجھتا ہے۔ لہٰذا وہ شرک فی التشریع کا مرتکب ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث آئی ہے وہ صرف یہی ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور مشائخ کی حلال وحرام میں پیروی کرتے تھے اور اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عبادت فرمایا تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

وذالك عبادتهم اياهم — اور یہی ان کی عبادت تھی

{تفسیر ابن کثیر بحوالہ مسند احمد وسندہ حسن}

گویا حدیثِ مذکور سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے علماء و مشائخ کی عملاً پیروی کرتے تھے۔ یہی ان کی عبادت تھی، یہی ان کو رب بنانا تھا اور کیونکہ عبادتِ غیر اللہ عملاً ہو یا عقیدتاً شرک ہوتی ہے، لہٰذا ان کی یہ تقلید شرک تھی اور یہی ان مقلدین کے ہاں ہو رہا ہے، لہٰذا ان کے شرک پر ہونے میں کیا شبہ ہے۔

(۳) تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ علماء اور مشائخ جو کچھ کہتے تھے اُس کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ارشادِ باری ہے:۔

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ ہی کا حکم ہے
وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	حالانکہ وہ اللہ کا حکم نہیں ہوتا اور
وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ {آل عمران - ۷۸}	بولتے ہیں۔

آیتِ بالاسے ثابت ہوا کہ علماءِ اہلِ کتاب خود مسئلہ گھڑتے اور اس کو اللہ کی طرف منسوب کرتے۔ مقلدین ان پر اعتماد کر کے اس کو اللہ کا مسئلہ سمجھتے اور ان کی تقلید کرتے۔ یعنی وہ لوگ بھی اس وقت تک اپنے علماء کی تقلید نہ کرتے جب تک انہیں یہ نہ بتایا جاتا کہ یہ اللہ ہی کا حکم ہے۔ گویا وہ شارع اللہ ہی کو سمجھتے تھے لیکن عملاً وہ ان علماء ہی کے مقلد تھے اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مشرک کہا۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ جب تک واجبُ الاطاعت یا شارع قرار دے کر تقلید نہ کی جائے شرک نہ ہوگا بلکہ واجبُ الاطاعت اور شارع اللہ ہی کو سمجھا جائے پھر بھی عملاً دوسرے کی تقلید اس اعتماد پر کی جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اللہ کا حکم ہے تو یہ بھی شرک ہے۔

(۴) مقلدین کے سامنے جب ان کے مذہب کے خلاف کوئی آیت یا حدیث پڑھی جائے تو وہ اُس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے مذہب پر اَڑے رہتے ہیں اگر یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ مثلاً رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بالتسليم (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما یجمع صفۃ الصلوٰۃ $\frac{1}{205}$)	نماز کو سلام کے ساتھ ختم کرتے تھے۔

لیکن مقلدین کا مسئلہ یہ ہے۔

وان تعمّد الحدث فى هٰذه الحالة أو تكلم... فقد تمت صلٰوته (هدايه)	اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اس حالت میں (یعنی اتنی دیر بیٹھنے کے بعد جتنی دیر میں کہ التحیات پڑھی جاتی ہے) حدث کر دے (یعنی پیشاب، ریاح وغیرہ خارج کر دے) یا بات کر لے تو اُس کی نماز پوری ہو گئی۔

گویا ان کے نزدیک فرض اتنا ہی ہے کہ اپنے کسی کام سے نماز کو ختم کردے، یہی نماز کی تحلیل ہے اور صریحاً حدیث کے بھی خلاف ہے اور بڑا ہی مکروہ و خلافِ عقل مسئلہ ہے۔ کیا حدیث کو رد کرکے اس کے خلاف مسئلہ کو تسلیم کرنا شرک نہیں ہے؟

(۵) اگر صرف شارح مان کر بھی آپ تقلید کرتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے اس لئے کہ شارح بھی اللہ ہی ہے جیسا کہ صفحہ ۳۲ تا ۳۵ پر لکھا جا چکا ہے۔

(۶) ہر اُستاد شارح ہوتا ہے تو کیا ہر شاگرد اپنے اُستاد کا مقلد ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر ایک ہی شاگرد کے متعدد بلکہ اکثر طلبار کے سینکڑوں اُستاد ہوتے ہیں تو کیا وہ ان سب کا مقلد ہوتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا اور ہرگز نہیں ہوتا تو پھر امام کو شارح سمجھ کر وہ کیوں اس کا مقلد بن جاتا ہے اور پھر کیوں اس کے فتوے اور اس کی رائے سے سرِمو انحراف نہیں کرتا؟ مطلب دراصل یہی ہے کہ وہ شارح نہیں سمجھتا بلکہ شارع سمجھنے لگتا ہے۔ اُستاد کی تشریح اس حد تک تو قابلِ قبول ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں حکمِ الٰہی کے معنی سمجھا دے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حکمِ الٰہی کی تشریح میں اپنی رائے کو پیش کرے۔ یہ صریح شرک ہے۔

غلط فہمی بعض حضرات کے ذہن میں یہ خلش رہتی ہے کہ ائمۂ مجتہدین نے خود فرمایا ہے کہ ہمارے قول پر اس وقت تک عمل نہ کرو جب تک کہ اس کی دلیل معلوم نہ ہو جائے۔ لیکن ذرا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمۂ مجتہدین کے اس ارشاد کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں جو صلاحیت اجتہاد سے محروم ہیں۔ (فاران ص۲۱)

ازالہ اگر آپ علمار ہو کر صلاحیتِ اجتہاد سے محروم ہیں تو اس کو سوائے بدقسمتی کے اور کیا کہا جائے۔

(۲) یہ بھی صحیح نہیں کہ اس ارشاد کے مخاطب صرف مجتہدین ہیں۔ ایسا کوئی اشارہ ان کے قول میں نہیں پایا جاتا۔ جو شخص مجتہد ہو اس سے یہ کہنا کہ بغیر دلیل معلوم کئے میری تقلید نہ کرنا، عجیب و غریب ہے۔ اگر وہ شخص مجتہد ہے تو پھر اس کیلئے دلیل معلوم کرنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ مجتہد ہی نہ رہے گا۔ کیا امام صاحب یہ سمجھتے تھے کہ مجتہد ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو بغیر دلیل دیکھے تقلید کرتے ہیں۔ اگر وہ ان کو مجتہد سمجھتے تھے تو غیر مقلد اور محقق بھی سمجھتے ہوں گے۔ ورنہ اجتہاد بھی ہو اور بے دلیل، یہ اجتماعِ ضدین ہے جو باطل ہے۔

(۳) امام صاحب کے مندرجہ ذیل قول میں کسی مجتہد و عامی کی تخصیص نہیں۔ فرماتے ہیں:-

لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّاْخُذَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ یَعْرِفْ مَاْخَذَہٗ۔ {النافع الکبیر ص۱۱۳ مصنفہ عبدالحی صاحب فرنگی محلی}	کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول پر عمل کرے جب تک اُس کو اُس قول کا ماخذ (دلیل) معلوم نہ ہو۔

لہٰذا مجتہد اور عامی کی تفریق فرضی ہے۔

غلط فہمی "وہ (یعنی ائمہ) بغیر دلیل بیان کئے جواب دیتے تھے۔"

(فاران ص۲۱)

ازالہ اگر ایسا ہوتا بھی ہو تو اس کے یہ معنٰی تو نہیں کہ سائل کو دلیل معلوم کرنے کا حق ہی نہ ہو۔ تقلید کی جو تعریف صفحات ۲۰ تا ۲۲ پر گذر چکی ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دلیل کے مُطالبہ کا حق ہی نہیں۔

اگر امام صاحب بغیر دلیل بیان کئے جواب دیتے تھے تو یہ تو لازمی ہے کہ دلیل ان کے ذہن میں ہوتی ہوگی۔ لیکن مقلد اگر جواب دیگا تو اُس کے ذہن میں دلیل نہ ہوگی بلکہ صرف امام کا قول ہوگا۔ اور اسی چیز کو امام صاحب نے حرام فرمایا ہے۔

غلط فہمی "خود ان کے متعدد اقوال ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر مجتہد کے لئے تقلید ہی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ مثلاً امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

علی العامی الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء فی حقه الی معرفة الاحادیث {ہدایہ ص۲۰۶}	عام شخص پر واجب ہے کہ وہ فقہاء کی اقتداء کریں اس لئے کہ وہ خود احادیث کو سمجھنے میں ٹھوکریں کھا سکتے ہیں۔ (فاران ص۲۱)

ازالہ بہتر ہوتا کہ آپ بجائے امام ابو یوسفؒ کے ائمۂ اربعہ بلکہ امام ابو حنیفہؒ کا قول پیش کرتے۔ یہ تنزل غالباً مجبوری اور تہی دستی کی غماز ہے۔

پھر قاضی صاحب کے اس قول میں بھی تقلیدِ شخصی کی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ تقلیدِ مطلق کی اجازت ملتی ہے لیکن اس کو آپ حرام کر چکے۔ اس کا دروازہ آپ نے بند کر دیا۔ پھر یہ قول آپ کو کس حد تک مفید ہو سکتا ہے؟ عامی کسی بھی عالِم سے حکمِ الٰہی معلوم کر سکتا ہے۔ اور یہی قاضی صاحب کے فرمان کا مفہوم ہے۔ اور ہمیں اس سے اختلاف ہی کب ہے؟

غلط فہمی ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ تقلید کی دونوں قسمیں عہدِ صحابہؓ میں پائی جاتی تھیں اور قرآن وحدیث سے اس کا جواز بلکہ وجوب معلوم ہوتا ہے۔ (فاران ص۲۱)

ازالہ ہم بھی اس کا بطلان گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔

غلط فہمی اگر کسی متبحر عالِم کو جو قرآن وسنت پر گہری نظر رکھتا ہو اور اس سے متعلق تمام علوم کا ماہر ہو اپنے امام مجتہد کا قول واضح طور سے کسی

صحیح حدیث کے خلاف نظر آئے وہ صحیح حدیث بھی واضح ہو اور اُس کے
معارض کوئی حدیث نہ ہو تو اُسے چاہیئے کہ امام مجتہد کا قول ترک کرکے
صحیح حدیث پر عمل کرے۔ (فاران ص۲۲)

ازالہ کیا یہ سب شرائط قرونِ اُولیٰ کے ان مسلمین میں پائے جاتے تھے جو کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دوسرے معنوں میں آپ ہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ بس تقلید ہی ضروری ہے اور اس کے سوا چارہ ہی نہیں۔

تقی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ براہِ راست قرآن و حدیث کا اتباع نہ متبحر عالم کرے نہ عامی۔ ہاں کہیں اتفاق سے کوئی مسئلہ امام کا کسی صحیح حدیث کے خلاف مل جائے تو اسے چھوڑ دے۔ حالانکہ جب کوئی شخص خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہو کسی کی تقلید کا طوق گردن میں ڈال لیگا تو عقیدت کی وجہ سے اُسے اپنے امام کی کوئی بات حدیث کے خلاف نظر ہی نہیں آئے گی اور شاذ و نادر ہی کوئی ایسا غیر متعصب مقلد ہوگا جو حدیث پر عمل کرے گا۔ لہٰذا تقلید ہی وہ چیز ہے جو حق کی طرف آنے سے روکتی ہے۔ لہٰذا تقلید ہی گمراہی کی بنیاد ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے میں احتمال ہوتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے شکوک پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا براہِ راست حدیث پر عمل کرنا ٹھیک نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام کے قول میں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ صحیح ہے یا غیر صحیح۔ حدیث کے مطابق ہے یا مخالف۔ سنداً ثابت ہے یا نہیں۔ قدیم قول ہے یا جدید۔ اُس کا مفہوم ہم تک صحیح طریقہ سے پہنچا ہے یا نہیں۔ غرض یہ کہ احتمال دونوں میں ہے پھر ایک پر عمل کو واجب قرار دینا اور دوسرے کو حرام کہنا بہت بڑا ظلم ہے۔ بلکہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ رسولِ معصوم کے باسند قول پر عمل کو واجب قرار دیا جائے اور اس کے مقابلہ میں غیر

معصوم کے بے سند قول کو رد کر دیا جائے۔ لیکن عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ اور یہی کفر ہے۔
اب تقی صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت پر غور کیجئے۔

"اگر تقلید کرتے ہوئے کوئی شخص اس حد تک پہنچ جائے کہ فقہائے مجتہدین کو خدا کی طرح واجب الاتباع سمجھنے لگے اور "ما را قول ابو حنیفہ باید قول رسول کافی نیست" کا قائل ہو تو وہ بھی انتہائی قابل مذمت ہے اور خطرہ ہے کہ یہ چیز شرک سے نہ مل جائے۔" (فاران ص۲۲)

تقلید کی تعریف پھر پڑھئے۔ کیا یہی نہیں ہو رہا جو تقی صاحب نے لکھا ہے۔

کل ما ادی الیہ رأیہ فھو واقع عندی (توضیح تلویح)

جو امام صاحب کی رائے سے مجھے معلوم ہوا بس وہی میرے نزدیک حق ہو

یہ رائے ہی کو سب کچھ سمجھ لینا امام کو شارع بنانا نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا ایسا کوئی مقلد ہے جس کے سامنے حدیث پیش کی جائے اور وہ اسے تسلیم کر لے بلکہ عملاً ہی نہیں قولاً بھی وہ حدیث کو کافی نہیں سمجھے گا۔ امام صاحب ہی کے مذہب پر چلتے رہنے پر اصرار کریگا لہٰذا تقی صاحب کے الفاظ میں خطرہ ہے کہ یہ چیز شرک سے نہ مل جائے۔ تقی صاحب نے صرف خطرہ کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا یہ فعل حقیقتاً شرک ہوتا ہے اور کیونکہ اس فعل کے پس منظر میں تقلید ہوتی ہے لہٰذا تقلید ہی اس شرک کی موجب ہے۔ اب بھی تقلید کے گمراہی ہونے میں کچھ شک ہے؟ شاہ اسمٰعیل شہید نے کتنے صاف الفاظ میں اس کے شرک ہونے کو تسلیم کیا ہے:۔

ان لم یترک قول امامہ ففیہ شائبۃ من الشرک۔

اگر وہ صریح حدیث مل جانے کے بعد بھی امام کے قول کو نہیں چھوڑتا تو اس میں شرک کی ملاوٹ ہے۔

آگے لکھتے ہیں :-

یأول الی قوله شوب من النصرانیة وحظ من الشرك {تنویر العینین ص۲۷}	اگر حدیث کی تأویل کر کے امام کے قول کے مطابق بنائے تو یہ نصرانیت کی آمیزش ہے اور شرک کا حصہ ہے۔

غلط فہمی بعض حضرات تقلید کی ضرورت کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث بہت آسان ہیں اس لئے اُن سے احکام سمجھنے میں کسی کے واسطہ کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ کریم خود فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ {سورۂ قمر}	اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان بنایا ہے۔ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے۔

لیکن خود اس آیت کے الفاظ پر غور فرمایئے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کریم کی وہ آیات آسان ہیں جو وعظ و تذکیر اور نصیحت و عبرت کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 'للذکر' کا لفظ استعمال فرمایا۔ یعنی قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کیا گیا ہے۔

(فاران ص۲۲)

ازالہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (حجر)	ہم نے یہ ذکر نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ پورا قرآن مجید "ذکر" ہے اور تقی صاحب اس سے بعض

حصّہ کو ذکر سمجھتے ہیں۔ گویا بعض حصّے بے عبرت و بے نصیحت ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف "ذکر" یعنی نصیحت کے مضامین کی حفاظت کا ذمّہ لیا ہے تو اس سے یہ بھی شبہ پیدا ہوگا کہ باقی شریعت محفوظ ہے یا نہیں۔ بلکہ اس کا غیر محفوظ ہونا ہی قرینِ قیاس ہے۔ کیونکہ اگر وہ بھی محفوظ ہو تو پھر صرف "ذکر" کی حفاظت کا ذمّہ بے معنیٰ ہو جائے گا۔ معلوم نہیں تقی صاحب نے کیا سمجھ کر ذکر کو صرف نصیحت کے اندر محدود کر دیا ہے۔

غلط فہمی رہیں وہ آیات جو احکام و حکم پر مشتمل ہیں۔ سو ان کا دقیق ہونا بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ:۔

أنزل القرآن علی سبعۃ	قرآن سات حروف پر نازل کیا
أحرف لکل آیۃ منھا	گیا ہے ان میں سے ہر آیت کے
ظھر و بطن و لکل حدّ	ایک ظاہری معنیٰ ہیں اور ایک
مطلّع {مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ}	باطنی اور ہر حد کے لئے اطلاع

کا طریقہ جُداگانہ ہے (یعنی ظاہری کے لئے عربی زبان اور باطنی کے لئے قوّتِ فہم) (فاران ص۲۲)

ازالہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر آیت مشکل ہے اور اُوپر تقی صاحب یہ لکھ آئے ہیں کہ وہ آیات آسان ہیں جو نصیحت آمیز ہیں۔

(۲) تقی صاحب نے " لکل حد مطلع " کا ترجمہ کیا ہے " ہر حد کیلئے اطلاع کا طریقہ جُداگانہ ہے۔" یہ بالکل فرضی اور خود ساختہ ترجمہ ہے۔ غالباً مذاہب باطلہ کے جواز کے لئے ایسا ترجمہ کیا گیا ہے۔

لکل : ہر ایک کے واسطے

حد : حد، انتہا

مطلعٌ : خبردار، جھانکنے والا

لہذا "لکل حد مطلع" کے سیدھے سادھے معنیٰ یہ ہوئے کہ "ہر حد کے واسطے جھانکنے والے یا خبردار ہوتے ہیں"۔ جو جھانکے گا وہ مفہوم کو پالیگا۔ لیکن جو اجتہاد و غور کا دروازہ ہی بند کر دے گا اُسے کیا خاک نصیب ہو گا۔ پھر اگر بعض مسائل کا سمجھنا مشکل بھی ہو تو اس سے تقلیدِ شخصی کہاں ثابت ہو جائے گی۔ یہ عجیب منطق ہے کہ اگر کسی آیت کا سمجھنا مشکل ہو تو تقلیدِ شخصی ثابت ہو گئی۔ جس کی سمجھ میں نہ آئے وہ کسی بھی عالم سے دریافت کر سکتا ہے۔ کسی ایک خاص عالم کو متعین کرنے کی اس میں کونسی دلیل ہے۔

(۳) تجربہ شاہد ہے کہ فقہ کی کتابوں کے مقابلہ میں قرآن و حدیث بہت آسان ہیں اگر یقین نہ آئے تو آپ کسی عربی جاننے والے کے سامنے جو علومِ شرعیہ سے نابلد ہو۔ ایک صفحہ قرآن مجید یا ایک صفحہ صحیح بخاری کا کھول کر رکھ دیجئے۔ اور پھر اس کے سامنے "ہدایہ" کا ایک صفحہ رکھ دیجئے اور تجربہ کیجئے کہ وہ کس کو سمجھ لیتا ہے اور کونسی چیز اُس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ معلوم نہیں آپ لوگ محض تقلید یعنی جہالت کو فروغ دینے کے لئے قرآن و حدیث کو مشکل، مبہم، متعارض بنانے کی فکر میں کیوں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو ہدایت دے اور صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقہ خود ساختہ ہے

فقہ کے بے شمار مسائل خود ساختہ ہیں" وللاکثر حکم الکل" کے بمصداق یہ فقہ خود ساختہ ہے۔ مثال کے طور پر ہم نے چند مسائل کا حوالہ دیا تھا اور بتایا تھا کہ

یہ مسائل گھڑے گئے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان کی کوئی دلیل نہیں۔ تقی صاحب نے ان میں سے چند آسان قسم کے مسائل کے دلائل بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن بعض مقامات پر انہوں نے ہمارے سوال کو بھی بدل دیا اور خود ساختہ سوال کا جواب دیکر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اب ترتیب وار وہ سوال اور جواب سُنئے:۔

غلط فہمی کہا جاتا ہے کہ فقہ حنفی میں مردوں کو بحالتِ نماز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کی تائید کسی روایت سے نہیں ہوتی۔ حالانکہ سننِ ابو داؤد میں حضرت علیؓ کا ارشاد منقول ہے:

إنّ من السنّة وضع	یہ بات سُنّت ہے کہ (نماز میں)
اليمين على الشمال	داہنا ہاتھ ناف کے نیچے بائیں
تحت السرة (فاران ص۲۳)	ہاتھ پر رکھا جائے۔

ازالہ یہ حدیث بے حد ضعیف ہے۔ مزید برآں ہمارا سوال یہ تھا کہ "کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ مرد نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھیں" تقی صاحب نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ ہم پھر ان پر زور دیتے ہیں کہ وہ ہمارے سوال کا جواب دیں اور اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا تو پھر یہ مسئلہ خود ساختہ ہوا یا نہیں۔ یہ شریعت سازی ہے یا نہیں۔ شریعت سازی شرک ہے یا نہیں؟

غلط فہمی (۲) کہا جاتا ہے کہ احناف جو نماز میں رکوع میں جاتے اور اُس سے اُٹھنے کے وقت ہاتھ نہیں اُٹھاتے اُس کا روایات سے ثبوت نہیں حالانکہ اس مسئلہ کی دلیل میں ایک دو نہیں سات آٹھ روایتیں موجود ہیں۔ (فاران ص۲۳)

ازالہ فرض کر لیجئے کہ جو روایتیں آپ نے بیان فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں اور بے محل

پیش نہیں کی گئی ہیں۔ تب بھی ان سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ رفع عندالرکوع سُنّت نہیں۔ براہِ کرم آپ یہ ثابت کیجئے کہ رفع یدین سُنّت نہیں منسُوخ ہے۔
اگر منسُوخ نہیں تو آپ کے مذہب میں اسے اختیار کیوں نہیں کیا گیا۔ براہِ کرم جو اصل سوال ہے اُس کا جواب دیجئے۔
اگر آپ مرجوح کہیں تو یہ بتائیے کہ ایک فعل ہے اور دوسرا عدم فعل۔ کیا فعل مرجوح ہو سکتا ہے۔ اگر فعل مرجوح ہو تو اس کے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک کام کیا بھی جائے اور ثواب کم ملے تو آخر اس کام کو کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ایسا کون بے وقوف ہوگا جو زیادہ کام کرے اور اُجرت کم لے۔ اس لحاظ سے تو رفع یدین کا کرنا خلاف عقل ہے۔ پھر یہ کام رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں کیا اور صحابہؓ کیوں اس پر عمل کرتے رہے۔ کیا وہ کم ثواب حاصِل کرنے کے لئے ایک ایسا عمل کرتے تھے کہ اگر وہ اس کو نہ کرتے تو زیادہ ثواب حاصل ہوتا۔

غلط فہمی (۳) حنفیہ پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ پہلی اور تیسری رکعت سے اُٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جلسۂ استراحت نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ سیدھا کھڑا ہو جانا کسی حدیث سے ثابت نہیں حالانکہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:۔

انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینھض فی الصّلوٰۃ علیٰ صدور قدمیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔
{بخاری صـــ۱۱۳ و ترمذی صـــ۱۲۹}	(فاران صـــ۲۴)

ازالہ | یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ اس کی سند میں خالد ہے جس کے متعلق بہت سخت جرح ہے۔

قال ابن حبان یروی	امام ابن حبان کہتے ہیں کہ خالد
الموضوعات عن الثقات	ثقات سے گھڑی ہوئی حدیثیں
{شرح ترمذی علامہ احمد محمد شاکر}	روایت کرتا ہے۔

ایسی موضوع حدیث کو صحیح بخاری کے حوالہ سے نقل کرنا تقی صاحب ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ صحیح بخاری کا صفحہ بھی دیدیا۔ تقی صاحب یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ آپ کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ کون سی صحیح بخاری ہے جس کے صفحہ کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔

تقی صاحب اگر ہم اس کو صحیح فرض کرلیں تو بھی یہ جلسہ استراحت کی صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف نہیں۔ ہم لوگ جلسۂ استراحت کر کے بھی پنجوں کے بل ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ دونوں میں کوئی تضاد نہیں، آپ نے خود تضاد پیدا کیا اور پھر موضوع حدیث پر عمل کیا اور صحیح کو چھوڑ دیا۔ کیا یہی ایمان کی نشانی ہے؟

تقی صاحب اگر آپ اپنی پیش کردہ حدیث کو صحیح مانتے ہیں تو پھر آپ اس مسئلہ کی دلیل بتلائیے کہ عورتیں پنجے کے بل کھڑی نہ ہوں بلکہ پہلے تلوے ٹکائیں پھر کھڑی ہوں۔ کیا یہ خود ساختہ مسئلہ ہے یا نہیں؟

غلط فہمی | (۴) حنفیہ کی نماز کے "فاسد" ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ آخری قعدہ میں بھی بائیں پاؤں پر اسی طرح بیٹھتے ہیں جس طرح پہلے قعدہ میں حالانکہ انہیں آخری قعدہ میں عورت کی طرح تورک کر کے بیٹھنا چاہیئے۔ لیکن حنفیہ کے اس عمل کی

دلیل میں مندرجہ ذیل روایت موجود ہے:۔

عن عائشۃؓ فی حدیث	ایک لمبی حدیث میں حضرت
طویل کان رسول اللّٰہ	عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت
صلی اللّٰہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم دونوں رکعتوں
یقول فی کل رکعتین	میں التحیات پڑھتے تھے
التحیۃ وکان یفترش	اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے
رجلہ الیسرٰی وینصب	تھے اور داہنا کھڑا کرتے تھے.
رجلہ الیمنٰی {صحیح مسلم ج۱ ص۱۹۴}	(فاران ص۲۴)

ازالہ تورک میں بھی اسی طرح بیٹھتے ہیں کہ بایاں پاؤں بچھا دیتے ہیں اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھتے ہیں۔ اس میں بائیں پاؤں پر بیٹھنے کی دلیل کہاں ہے؟ اور جب یہ نہیں تو یہ حدیث تورک کے خلاف نہیں ہے اور اگر بالفرض محال ہم اسے وہی مفہوم پہنائیں جو آپ کی منشار ہے تو پھر دونوں طرح بیٹھنا ثابت ہوا۔ آپ کون ہوتے ہیں کہ ایک کو جائز کہیں اور دوسرے کو ناجائز؟ کیا آپ اللہ اور رسول پر حاکم ہیں۔ کیا آپ کے علمار شریعت ساز ہیں؟

اگر تورک آپ کے نزدیک ناجائز ہے تو براہِ کرم اس بات کا ثبوت دیں کہ عورتوں کی جو بیٹھک آپنے تجویز کی ہے اُس کا کیا ثبوت ہے؟ کیا مرد و عورت کے بیٹھنے کے علیحدہ علیحدہ طریقے مقرر کرنا شریعت سازی نہیں؟

غلط فہمی (۵) حنفیہ پر غیظ و غضب کا اظہار اس وجہ سے بھی کیا جاتا ہے کہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے حالانکہ ان کا یہ عمل بہت سی آیات و روایات سے ثابت ہے۔ ان میں سے ایک ملاحظہ ہو۔

عن أبی نعیم وھب بن کیسان انّہ سمع جابر بن عبد اللّٰہ یقول من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بأم القرآن فلم یصل الا وراء الامام ھذا حدیث حسن صحیح ۔ { ترمذی ص۴۲ جلد ۱ }	ابو نعیم وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ کو یہ فرماتے سُنا کہ جس شخص نے کوئی رکعت اس طرح ادا کی کہ اس میں سُورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اُس کی نماز نہیں ہوئی لیکن امام کے پیچھے ۔ یہ حدیث[۱] حسن صحیح ہے ۔ (فاران ص۲۴ ، ۲۵)

ازالہ لکھا تو آپنے یہ تھا کہ " بہت سی آیات وروایات سے ثابت ہے " لیکن بجائے آیات وروایات کے آپ نے صرف ایک صحابی کا قول پیش کیا ۔ کیا آپ آیات واحادیث کی موجودگی میں صحابی کے قول کو زیادہ وقیع سمجھتے ہیں ۔ براہِ کرم کوئی صریح آیت یا حدیث ایسی پیش کیجئے جس میں امام کے پیچھے سُورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت ہو ؟

(۲) کیا حضرت جابرؓ کے اس قول کو آپ حجت سمجھتے ہیں ؟ اگر نہیں سمجھتے تو پھر ہمارے مقابلہ میں پیش کرنے کی کیا وجہ ہے ؟ حضرت جابرؓ کے اس قول سے سُورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعت میں فرض ہوا حالانکہ آپ کے ہاں ایک رکعت میں بھی فرض نہیں ۔ کیا اس اثر کی روشنی میں آپ اپنا مسئلہ تبدیل کرنے کو تیار ہیں بلکہ آخری دو رکعتوں میں تو سُورۂ فاتحہ کو آپ واجب بھی نہیں کہتے ۔ بلکہ خاموش کھڑا رہنا ہی کافی سمجھتے ہیں کیا اب آئندہ آپ آخری دو رکعتوں میں بھی سورۂ فاتحہ کو واجب سمجھیں گے ۔ اگر نہیں تو حضرت جابرؓ کے قول کو آپ نے خود رد کر دیا ۔ پھر دوسروں کیلئے اسے کیسے حجت سمجھ رہے ہیں ؟

---

[۱] محدثین کی اصطلاح میں صحابی کے قول وفعل کو بھی حدیث کہتے ہیں ۔

(۳) ہمیں تو یہ اثر بھی تسلیم ہے لیکن ان معنوں کی روشنی میں جو احادیث و آثار اور خود حضرت جابرؓ کے دوسرے قول سے ثابت ہوں۔ تفصیل اگلی غلط فہمی کے ازالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

غلط فہمی (٦) حنفیہ کی نماز پر چھٹا اعتراض یہ ہے کہ وہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف خاموش کھڑا رہنا کافی سمجھتے ہیں ان میں قرأت کو فرض قرار نہیں دیتے۔ ان کے اس عمل کی کوئی دلیل نہیں۔

اس کے جواب میں ہماری گذارش یہ ہے کہ بلاشبہ ایسی کوئی صریح روایت موجود نہیں جو قراءت کو صرف دو رکعتوں کے ساتھ مخصوص کرتی ہو، امام ابوحنیفہؒ نے یہ حکم فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کی دلالت اور قیاس سے نکالا ہے۔۔۔۔
کوئی صریح روایت نہیں ہے کہ اس سے ہر رکعت میں قراءت کی فرضیت ثابت ہوتی ہو (ماڈرن ۲۵)

ازالہ فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ " (مزمل) قرآن میں سے جو کچھ آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو "۔ اس آیت کی دلالت تو یہ ہے کہ ہر رکعت میں قرآن پڑھا جائے لیکن آپ لوگوں نے اس سے یہ دلیل لی ہے کہ دو رکعتوں میں قرآن پڑھا جائے اور دو میں نہیں۔ کیا اس آیت میں اس قسم کا کوئی مفہوم ہے۔ معلوم نہیں آپ لوگ قرآن مجید کی آیتوں کے ساتھ کیوں کھیلتے ہیں۔ جو مطلب چاہا نکال لیا۔

آپ نے یہ خوب لکھا ہے کہ " کوئی صریح روایت نہیں ہے کہ اس سے ہر رکعت میں قرأت کی فرضیت ثابت ہوتی ہو "۔

اگر آپ کو کوئی روایت نظر نہ آئے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ایسی کوئی روایت ہے ہی نہیں۔ تقلید کا طوق نکال دیجیے پھر سب کچھ نظر آجائے گا۔ اگر آپ کو نظر نہ آئے تو آئیے ہم آپ کو دکھلاتے ہیں، سنئے :-

(۱) كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ	رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب
وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ	نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو رفع یدین
يَرْفَعُ يَدَيْهِ...... ثُمَّ يَقْرَأُ	کرتے..... پھر قرأت کرتے.....
.... ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الْأُخْرٰى	پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی
مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ	کرتے..... پھر جب دوسری رکعت
الرَّكْعَتَيْنِ كبر ورفع يديه....	پڑھ کر کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے
ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فى كل بقية	اور اللہ اکبر کہتے...... پھر باقی
صلٰوته . { ابوداؤد عن ابی حمید جلد اوّل صـ ۱۱۳ }	نماز میں بھی ایسا ہی کرتے ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم چاروں رکعتوں میں قرأت کرتے تھے ۔ جب ابو حمیدؓ اس حدیث کو بیان کر چکے تو صحابہؓ کی پوری مجلس نے ان کی تصدیق کی ۔ (ابوداؤد و ترمذی)

(۲) رفاعہؓ کہتے ہیں کہ رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو نماز سکھائی تو فرمایا:۔

فكبر ثمّ اقرأ بامّ القرآن	پھر اللہ اکبر کہو ۔ پھر سُورۂ فاتحہ
وبما شاء الله أن تقرأ	اور جو کچھ اللہ چاہے پڑھو ، پھر
فوصف الصلٰوة هكذا	آپؐ نے اسی طرح چاروں رکعات
أربع ركعات حتى فرغ ـ لا	کی ترکیب بتائی ۔ یہاں تک کہ
تتم صلٰوة احدكم حتى يفعل	فارغ ہوئے ۔ پھر فرمایا جو
ذٰلك { ابوداؤد جلد ۱ صـ ۱۲۲ ؛ ومسند احمد	شخص نماز میں اس طرح نہ کرے
(بلوغ الامانی جزء ۳ صـ ۱۵۶)	اُس کی نماز پوری نہیں ہوتی ۔

(۳) اسی سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

فکبر ثم اقرأ..... وافعل	پھر اللہ اکبر کہو، پھر قرأت
ذٰلک فی صلٰوتک کلہا۔	کرو..... پھر اپنی پوری نماز
{صحیح بخاری جزء اوّل ص۱۹۳}	میں اسی طرح کرو۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ ثابت ہوا کہ آپ نے چار رکعت کی نماز کی ترکیب بتائی اور ہر رکعت میں قرأت کرنے کا حکم دیا۔ اگر اس حکم کو آپ نہ مانیں تو آپ کی مرضی !!

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں:۔

کنت أصلّی بھم صلوٰۃ	میں ان لوگوں کو رسُول اللہ
رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ	صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نماز کی طرح
وسلم ما اخرم عنہا، صلی	نماز پڑھاتا تھا۔ اُس میں ذرا
صلوٰۃ العشاء فارکد فی	بھی کمی نہیں کرتا تھا۔ عشار کی نماز
الاولیین واخف فی	میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت
الاخریین قال عمرؓ ذاک	لمبی کرتا اور آخری دو میں تخفیف
الظن بک {صحیح بخاری جزء ۱ ص۱۹۲}	کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا
	بھی تمہارے متعلق یہی گمان تھا۔

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عشار کی چاروں رکعتوں میں قرأت کرتے تھے۔ پہلی دو میں طویل اور آخری دو میں خفیف۔ لیکن بے قرأت کوئی رکعت نہ ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس بات کی تائید کر دی۔

(۵) ابوقتادہؓ کہتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الظہر فی الأولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب۔	بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

{صحیح بخاری جزء اول ص۱۰۷}

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ آخری دو رکعتوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کرتے تھے۔

(۶) ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔

حزرنا قیامہ فی الرکعتین الاولیین من الظہر قدر ثلثین آیۃ وحزرنا قیامہ فی الاخریین قدر النصف من ذلک۔ {صحیح مسلم ج اول ص۱۹۱}	ہم لوگوں نے (یعنی صحابہؓ نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ کیا۔ آپ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں تقریباً تیس۳۰ آیات پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں اس کا نصف

(یعنی پندرہ۱۵ آیات)

اسی حدیث میں عصر کے قیام کا بھی اندازہ ہے اور وہ ظہر کا نصف ہے۔ یعنی پہلی دو رکعتوں میں پندرہ۱۵ آیتیں اور آخری دو رکعتوں میں سات یا آٹھ آیتیں۔ گویا آپ ظہر اور عصر کی ہر رکعت میں قرأت کرتے تھے اور ترک قرأت کبھی ثابت نہیں ہوا۔

اس اندازہ پر تیس۳۰ صحابہؓ کا اتفاق تھا (مسند احمد (فتح ربانی) جزء۳ ص۲۴۴)

(۷) حضرت انسؓ سے اور حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریلؑ نے پانچوں نمازیں سکھائیں۔ ہر رکعت میں قرأت کا ذکر ہے۔ مثلاً مغرب کے متعلق یہ الفاظ ہیں:۔

صلّی بھم ثلٰث رکعات یجھر فی رکعتین ولا یجھر فی الثالثۃ {دار قطنی ص۹۷}

جبریلؑ نے ان کو نماز پڑھائی تو دو رکعتوں میں بلند آواز سے قرأت کی اور تیسری میں بلند آواز سے قرأت نہیں کی۔

امام حسن بصریؒ کی روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن حنفیہ کے ہاں حجت ہے۔

(۸) عن علیؓ وجابرؓ قالا یقرأ الامام ومن خلفہ فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب {کتاب القراءۃ للامام بیہقی ص۶۷}

حضرت علیؓ اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ بھی پڑھیں اور آخری دو میں سورۂ فاتحہ پڑھیں۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت جابرؓ بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ کیا آپ حضرت جابرؓ کی یہ بات تسلیم کرتے ہیں؟

(۹) عن جابرؓ اقرأ فی الاولیین بالحمد والسورۃ وفی الاخریین بالحمد۔ {کتاب القراءۃ بیہقی ص۶۶ وجزء القراءۃ للامام البخاری}

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھو اور سورۃ بھی، اور آخری دو میں سورۂ فاتحہ پڑھو۔

گویا حضرت جابرؓ کے نزدیک چاروں رکعتوں میں قرأت ضروری ہے۔ کیا حضرت جابرؓ کے اس قول کو بھی آپ تسلیم کرتے ہیں؟

(۱۰) عن جابر کنا نقرأ فی الظھر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب و سورۃ و فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب ؛	حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہؓ) ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور آخری دو میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

{بیہقی کتاب القراءۃ ص ۶۷}

روایاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ چاروں رکعتوں میں قرأت کرنے پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ نہ صرف امام کے لئے بلکہ مقتدی کے لئے بھی۔

کیا صحابہؓ کا یہ اجماع آپ کے نزدیک حجت ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ سبیل المؤمنین نہیں ہے جس پر آپ چل رہے ہیں۔

سورۂ نساء کے الفاظ " وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ " (آیت ۱۱۵) پر غور کیجئے۔

حضرت جابرؓ کی مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ وہ مقتدی پر بھی قرأت کو لازمی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی وہ روایت جس کو تقی صاحب نے ۵ کے عنوان سے لکھا ہے تاویل طلب ہے۔ غالباً ان کا یہ مطلب ہوگا کہ اگر مقتدی کو سہو ہو جائے تو ایسی صورت میں معافی ہے، نماز ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ مقتدی اگر بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ وہ امام کا تابع ہوتا ہے۔

(۱۱) حضرت ابو عبداللہ تابعی کہتے ہیں :-

....صليت وراءهٗ المغرب	.....میں نے حضرت ابوبکرؓ کے
.... ثم قام في الثالثة فدنوت	پیچھے مغرب کی نماز پڑھی .....جب
منه .... فسمعته قرأ بأم	حضرت ابوبکرؓ تیسری رکعت کیلئے
القرآن وبهذه الآية رَبَّنَا	کھڑے ہوئے تو میں اُن کے قریب
لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا {موطا، مالک ص۲۱}	ہوگیا۔ میں نے سُنا آپنے سُورہ فاتحہ

پڑھی اور یہ آیت پڑھی:۔ـــــــ ربنا لا تزغ قلوبنا۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آخری رکعتوں میں قرأت کرتے تھے۔

(۱۲) ابو مسعودؓ کہتے ہیں:۔

الا أصلی لکم صلوٰة رسول	کیا میں تم کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ
الله صلی الله علیه وسلم	وسلّم کی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں (پس
......فصلی بنا اربع رکعات	اُنہوں نے ایک رکعت کی صفت
هکذا {مسند احمد (فتح ربانی) جزء ۳ ص۱۵	بیان کی) پھر فرمایا کہ اسی طرح چاروں
وسنده صحیح}	رکعتیں ہم کو پڑھائیں۔

گویا پہلی کی طرح چاروں رکعتوں میں قرأت کی۔

(۱۳) عن أبی مالك الاشعری عن	حضرت ابومالکؓ کہتے ہیں کہ
رسول الله صلی الله علیه	رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم
وسلم انه کان یسوی	قرأت وقیام میں چاروں
بین الاربع رکعات فی القراءة	رکعتوں میں برابری کرتے
والقیام ویجعل الرکعة	تھے۔ البتہ پہلی رکعت سب سے

زیادہ طویل ہوتی تھی تاکہ لوگ	الاولیٰ ھی اطولھن لکی
اُس رکعت کو پالیں ۔	یثوب الناس ؞

{مسند احمد (فتح ربانی) جزء ۳ صفحہ ۱۵۳ وسندہ حسن}

حدیث مذکور سے بھی ثابت ہوا کہ آپ چاروں رکعتوں میں قرأت کرتے تھے ۔

سرسری طور پر جو احادیث ملیں وہ پیش کر دی ہیں ۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود چاروں رکعت میں قرأت کرتے (ترکِ قرأت آپ سے ثابت نہیں) چاروں رکعتوں میں قرأت کا حکم دیتے تھے (جو وجوب کی دلیل ہے) اور تمام صحابہؓ چاروں رکعتوں میں قرأت کرتے تھے باوجود اس کے کہ وہ مقتدی ہوتے تھے ۔

ان تمام دلائل اور قرآن مجید کی وہ آیت جو آپ نے درج فرمائی ہے اور اس کے علاوہ بھی اور بعض آیات سامنے رکھ لیجئے ۔ کیا ان سب کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دو رکعتوں میں قرأت لازمی نہیں ۔ خاموش کھڑا رہنا چاہیئے ۔ کیا مندرجہ بالا سب دلائل آپ کے لئے کافی نہیں ؟ اور یہ آپ اعتراف کر ہی چکے ہیں کہ بلا شبہ ایسی کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے جو قرأت کو دو رکعتوں کے ساتھ مخصوص کرتی ہو ۔ تو پھر ہمیں یہ کہنے دیجئے کہ آپ کا یہ مسئلہ ان دلائل کے خلاف ہے اور خود ساختہ ہے اور نماز جو کہ عبادت ہے جس میں قرأت تسبیحات وغیرہ مشروع ہیں اس میں خاموش کھڑا رہنے کو جائز کہنا ایسا قول ہے جس کی جرأت کوئی مؤمن تو نہیں کر سکتا ۔

غلط فہمی (۷) کہا جاتا ہے کہ حنفیہ نے نماز کی نیت زبان سے کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ بدعت ہے ۔

یہاں بھی ہماری گذارش یہ ہے کہ زبان سے نیت کرنا کسی صریح حدیث سے ثابت نہیں ۔ (فاران صفحہ ۲۵ ماہ مئی ۱۹۶۵ء)

ازالہ اب اس کے متعلق ہم کیا کہیں۔ آپ نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ کسی صریح حدیث سے ثابت نہیں۔ بس یہی ہمارا مقصد ہے کہ آپ کے ہاں شریعت سازی ہوتی ہے، مسائل گھڑے جاتے ہیں۔ بدعتیں نکالی جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ گمراہی اور کیا ہوگی۔

غلط فہمی (۸) شہریوں کے لئے نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا ازروئے حدیث جائز نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گاؤں والے اس سے مستثنٰے ہیں وہ طلوع فجر کے متصل بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ استثناء خود ساختہ ہے اور اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہماری گذارش یہ ہے کہ جس حدیث میں نماز سے پہلے قربانی کرنے کو جائز قرار نہیں دیا گیا وہ صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث ہے:۔

من ضحّی قبل الصلوٰۃ فانما ذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ:	جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی تو اس نے خود اپنے لئے ذبح کیا اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی تو اُس کی قربانی پوری ہوگئی۔

اس روایت کے الفاظ پڑھکر ہر معمولی سوجھ بوجھ کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ حکم اُن لوگوں کو دیا جا رہا ہے جن کو نمازِ عید پڑھنی ہے اس کے برخلاف گاؤں والے لوگوں پر نمازِ عید ہے ہی نہیں، تو اُن کیلئے "نماز سے پہلے" اور "نماز کے بعد" کی تفصیل کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ ان کے حق میں تو حکم اپنی اصل پر ہی باقی رہے گا کہ اگر وہ طلوعِ فجر کے فوراً بعد

قربانی کرلیں تو ان کی قربانی درست ہو جائے گی۔ (فاران صہ ۲۵ و ۲۶)

ازالہ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ مسئلہ امام ابو حنیفہؒ کا خود ساختہ ہے یہ نہیں بلکہ ان پر تو یہ اتہام ہے۔ ہاں آپ کے مذہب کے فقہاء کا خود ساختہ ہے۔

(۲) تقی صاحب نے ایسی کوئی دلیل نہیں دی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ گاؤں والوں پر عید کی نماز فرض نہیں، صرف شہریوں پر فرض ہے۔

یہ تخصیص قرآن و احادیث کے خلاف ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(۱) وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ {بقرۃ ۱۸۵} تاکہ تم رمضان کی گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو۔

اس آیت میں عید الفطر کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا جس طرح رمضان کے روزے ہر شخص پر فرض ہیں اسی طرح عید کے دن اللہ کی بڑائی بیان کرنا بھی ہر شخص پر فرض ہے۔ دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

(۲) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر) پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

اس آیت میں عید الاضحیٰ کی طرف اشارہ ہے اور کوئی تخصیص نہیں۔ حکم عام ہے اور سب پر فرض ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ قد ابدلکم بھما خیرًا منھما یوم الفطر و یوم النحر۔ احمد

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں[1] کے بدلہ میں ان سے بہتر دو تہوار تمہیں دیدیئے ہیں عید الفطر

---

[1] نوروز اور مہرجان۔

اور عید الاضحٰی۔ {جزء ۶ ص ۱۱۹ (فتح ربانی) وابوداؤد نحوہ وسندہ صحیح}

گویا ایامِ جاہلیت کے تہواروں کو منسوخ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عیدیں اللہ کے حکم سے مقرر فرمائیں۔ جس طرح ایامِ جاہلیت کے تہوار عام تھے۔ شہری اور دیہاتی سب انہیں مناتے تھے۔ اسی طرح دونوں عیدیں بھی عام ہیں۔ شہری اور دیہاتی کی تفریق خودساختہ ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ھٰذا عیدنا یا أھل الاسلام — اے اہلِ اسلام یہ ہماری عید ہے۔

{رواہ البخاری تعلیقاً جزء ۲ ص ۲۹ ورواہ نحوہ اصحاب السنن وصححہ ابن خزیمۃ (فتح الباری جزء ۲ ص ۱۲۰)}

اگر دیہاتی بھی اہلِ اسلام ہیں تو یہ عید ان کے لئے بھی عید ہے۔

(۵) أمر انس بن مالک مولاہ ابن أبی عتبۃ بالزاویۃ فجمع أھلہ وبنیہ وصلی کصلوٰۃ أھل المصر وتکبیرھم۔ {مصنف ابن ابی شیبۃ وبخاری تعلیقاً}

حضرت انس بن مالکؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام کو زاویہ گاؤں میں حکم دیا کہ وہ عید کا انتظام کریں۔ پس انہوں نے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا اور شہریوں کی طرح نماز پڑھی اور تکبیریں کہیں۔

گویا صحابیِ رسول عید کی نماز کو گاؤں میں بھی ضروری جانتے تھے۔ کیا آپ ان صحابی کی بات نہیں مانتے؟

(۶) قال عکرمۃ أھل السواد یجتمعون فی العید یصلون رکعتین کما یصنع الامام۔ {صحیح بخاری تعلیقاً جزء ۲ ص ۲۹ ومصنف ابن ابی شیبہ}

عکرمہ کہتے ہیں کہ گاؤں والے بھی عید کی نماز دو رکعتیں پڑھتے ہیں اسی طرح جس طرح کہ امام (یعنی خلیفہ) پڑھتا ہے۔

(۷) حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن عید کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا:۔

اِنَّ هٰذا یوم قد اجتمع لکم	آج تمہاری دو عیدیں جمع ہوگئی
فیه عیدان فمن أحبَّ أن	ہیں (عید اور جمعہ) پس
ینتظر الجمعة من أهل	دیہاتیوں میں سے جو جمعہ کا
العوالی فلینتظر ومن أحبَّ	انتظار کرنا چاہے وہ انتظار
ان یرجع فقد أذنت له۔	کرے اور جو واپس جانا چاہے
{صحیح بخاری کتاب الاضاحی}	تو اُس کو اجازت ہے۔

اگر جمعہ کی نماز گاؤں والوں پر فرض نہ ہوتی تو حضرت عثمانؓ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ عید کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے نہ آنے کی اجازت دی گئی ہے۔ گویا جمعہ کی نماز گاؤں والوں پر فرض ہے لیکن عید کی نماز جمعہ کی فرضیت کو ساقط کر دیتی ہے۔ اور کوئی نفل نماز فرض نماز کی قائم مقام نہیں ہو سکتی لہٰذا عید کی نماز بھی گاؤں والوں پر فرض ہوئی۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عید کی نماز میں گاؤں والے شریک ہوا کرتے تھے اور ایسی کوئی روایت نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ عید کی نماز گاؤں والوں پر فرض نہیں۔ اگر ایسی کوئی حدیث ہے تو تقی صاحب براہِ کرم پیش فرمائیں اور اگر نہیں تو مسئلہ کے خود ساختہ ہونے کا اعتراف کریں۔

اصل سوال کا جواب نہیں دیا گیا سوال درحقیقت مندرجہ ذیل حیلہ کے متعلق تھا "اگر شہر والے بھی عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا چاہیں تو وہ اپنی قربانی کے جانور کو شہر کے باہر لے جا کر ذبح کر سکتے ہیں اور بعد میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں"

کیونکہ شہر والوں کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ وہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کریں تو اس کے لئے یہ حیلہ سکھایا گیا جو حنفی مذہب کی مشہور درسی کتاب ہدایہ میں موجود ہے۔ یعنی ایک ناجائز کام کو ایک حیلہ سے جائز کر دیا گیا۔ گویا اللہ کی شریعت کے ساتھ مذاق کیا گیا۔ حرام کو حلال کیا گیا۔ شریعت کے حکم اور مصالح کو پامال کیا گیا اور پھر بھی یہ ناز ہے کہ ہم مسلم ہیں۔

ہمارا سوال یہ تھا کہ اس "حیلہ" کی دلیل قرآن و حدیث سے پیش کی جائے۔ بجائے اس سوال کا جواب دینے کے تقی صاحب نے دوسری بحث چھیڑ دی۔ کیونکہ اس حیلہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ حیلہ خود ساختہ مسئلہ ہے۔ بلکہ ایک فریب ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

غلط فہمی (۹) کہا جاتا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مفقود ہو جائے تو اس کے بارے میں حنفیہ نے بہت سخت حکم لگایا ہے کہ وہ موت کی خبر آنے تک انتظار کرے اور پھر جب شوہر کی عمر ستر سال کی ہو جائے تب وہ دوسرا نکاح کر سکے گی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ دونوں باتیں خود حدیث سے ثابت ہیں۔ سنن دارقطنی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفقود کی بیوی کے بارے میں ارشاد فرمایا :۔

ھی امرأة حتی یأتیھا البیان۔	وہ اسی کی بیوی ہے یہاں تک کہ کوئی خبر آ جائے۔

اور حضرت علیؓ سے اس کی تشریح مصنف عبدالرزاق میں بالفاظ ذیل منقول ہے :۔

ھی امرأۃ ابتلیت	یہ عورت آزمائش میں پڑگئی ہے
فلتصبر حتی یتبین	اس لئے اسے چاہیئے کہ اُس وقت
موت او طلاق	تک صبر کرے جب تک کہ شوہر کی
(فاران ص۳۶)	موت یا طلاق کی خبر نہ آئے۔

ازالہ تقی صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے وہ بالکل ناقابلِ حجت ہے۔

قال ابو حاتم حدیث منکر	حضرت امام ابو حاتم نے کہا کہ یہ حدیث
ومحمد بن شرحبیل متروک	منکر ہے اور محمد بن شرحبیل
الحدیث یروی عن المغیرۃ	متروک الحدیث ہے۔ وہ مغیرہ بن
بن شعبۃ مناکیر واباطیل	شعبہ سے منکر اور جھوٹی حدیثیں

بیان کرتا ہے۔

قال ابن القطان سوار بن	امام ابن قطان کہتے ہیں سوار
مصعب اشھر المتروکین	بن مصعب متروکین میں سے بہت
ودونہ صالح ولا یعرف	مشہور متروک الحدیث ہے اور
ودونہ محمد بن فضل	اس کے نیچے صالح غیر معروف ہے
ولا یعرف حالہ ۔ { حاشیہ	اور اس کے نیچے محمد بن فضل ہے
سنن دار قطنی ص۴۲۱ }	اس کا حال بھی نہیں معلوم۔

غرض یہ کہ اس حدیث کے دو راوی مجہول ہیں دو کذاب ہیں، بلکہ ایک ان میں سے جھوٹی حدیثیں روایت کرنے والا ہے۔ کیا ایسی جھوٹی حدیث سے حجت لی جا سکتی ہے۔

(۲) اگر احناف نے اس حدیث کو حجت مانا ہے تو اس کے خلاف مسئلہ کیوں بنایا

اور ستّر یا نوّے سال کی مُدت کیوں مقرر کی۔ بس اس حدیث کے مطابق خبر کا انتظار کرتے۔ نہ آپ نے حدیث کو مانا نہ حضرت علیؓ کے قول کو۔ دونوں کو چھوڑ کر علیحدہ اپنا مسلک اختیار کیا کہ ستّر سال یا نوّے سال انتظار کرے۔ فرمائیے یہ مسئلہ خود ساختہ ہوا یا نہیں۔ حدیث واثر کے خلاف ہوا یا نہیں۔؟

غلط فہمی رہا یہ کہ ستّر سال کی عمر ہو جانے پر کس دلیل سے موت کا حکم لگایا گیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اعمار أمتی ما بین	میری اُمت کی عمریں (اوسطاً)
الستین الی سبعین۔	ساٹھ اور ستّر کے درمیان رہیں گی۔

(فاران ص۲۶)

ازالہ ہم نے سوال کیا تھا کہ "نوّے" سال کی تعداد کا ثبوت دیں۔ تقی صاحب نے نوّے کے ستّر خود کر دیئے اور جواب میں وہ حدیث پیش کر دی جس سے نفس مسئلہ کو کوئی تعلق نہیں۔ غالباً اس حدیث کو دلیل بنانے کی خاطر خود سوال کو بدل دیا اور نوّے کے ستّر کر دیئے۔ حالانکہ نوّے کی تعداد ان کی فقہ کی کتابوں میں ہے۔ مثلاً کنز الدقائق وغیرہ میں۔ اسی سلسلہ میں بہشتی زیور بھی ملاحظہ کریں اس میں بھی نوّے سال ہیں۔

غلط فہمی یہاں یہ بات واضح رہے کہ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کو ستّر سال انتظار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ مقصد یہ ہے کہ شوہر کی عمر کے ستّر سال ہونے کا انتظار کیا جائے خواہ یہ اس کے گم ہونے کے ایک ہی سال بعد ہو جائے۔ (فاران ص۲۶)

ازالہ یہ توضیح بھی صحیح نہیں۔ نہ تقی صاحب نے فقہی حوالہ سے اسے ثابت کیا۔ کنز الدقائق وغیرہ میں یہ توضیح مذکور نہیں ہے بلکہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نوّے سال انتظار کرے۔

(۲) ہمیں الزام دیا جاتا ہے کہ اگر پہلا خاوند آجائے تو پھر آپ کیا کریں گے؟ ہم تو وہی کریں گے جو حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔ لیکن اب آپ بتائیے کہ ایک سال انتظار کرنے کے بعد اگر عورت نے نکاح کر لیا اور پھر اُس کا پہلا خاوند آگیا تو آپ کیا کریں گے؟

(۳) پھر آپ لوگوں نے جو مسئلہ بنایا وہ بھی ناقص اور عدل کے منافی ہے۔

(الف) مثلاً شوہر اُس وقت غائب ہو جب کہ اُس کی عمر ستّر سال سے زائد ہو چکی ہو تو اُس کی بیوی جو اتفاق سے جوان بھی ہو کیا کرے گی۔ کیا آپ کے اس مسئلہ میں اس اُلجھن کا کوئی حل ہے؟ کیا وہ یہ سمجھ کر کہ شوہر تو پہلے ہی سے ستّر سال سے زائد عمر کا ہے کسی نوجوان سے فوراً شادی کر لے؟

(ب) اگر وہ عورت فوراً شادی کر لے تو یہ عجیب آزادی ہے جو آپ عورت کو دے رہے ہیں۔ کیا اس طرح سے کوئی نکاح بھی قائم رہ سکے گا!

(ج) ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ مرد و عورت کی عمروں میں کافی فرق ہوتا ہے بلکہ بعض مرد تو ساٹھ ستّر سال کی عمر میں نوجوان لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ اب اگر اس نوجوان لڑکی کے خاوند کی عمر مفقود ہونے کے وقت ۶۹ سال کی ہو تو کیا وہ ایک سال بعد دوسرا نکاح کر لے؟ یا اگر ۶۹ سال ۱۱ مہینے عمر ہو تو وہ ایک ماہ بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ آپ کے مسئلہ نے تو کمال ہی کر دیا۔

(د) فرض کیجئے مفقود ہونے کے وقت شوہر کی عمر ۶۹ سال ہو اور اُس کی بیوی کی ۶۶ سال۔ تو یہ بُڑھیا عورت ایک سال بعد ۶۷ سال کی عمر میں نکاح

کرنے کی مختار ہوگی۔

دوسری صورت یہ فرض کیجیے کہ مفقود ہونے کے وقت شوہر کی عمر ۲۰ سال ہو اور اس کی بیوی کی عمر ۱۵ سال کی تو یہ پندرہ سالہ لڑکی ۵۰ سال کے بعد نکاح کرنے کی مختار ہوگی۔

دونوں مثالوں کو سامنے رکھئے۔ بڑھیا کو تو آپ ایک سال بعد نکاح کی اجازت دیتے ہیں اور جوان لڑکی کو ۵۰ سال کے بعد نکاح کی اجازت دیتے ہیں یعنی ۶۵ سال کی عمر میں۔ یہ عقل و عدل دونوں کے خلاف ہے۔ اگر مسئلہ اس کے برعکس ہوتا تو عقل و عدل کے قریب ہوتا۔

خلاصہ غرض یہ کہ آپ کا یہ مسئلہ ناقص بھی ہے کہ اس میں نسترسے زائد سال کی عمر کے مفقود الخبر کا حل نہیں ہے اور خلافِ عقل و عدل بھی ہے کہ بڑھیا کو تو بہت قلیل مدت میں نکاح کی اجازت ہے لیکن جوان لڑکی کو اتنی طویل مدت میں اجازت ہے کہ وہ انتظار کرتے کرتے بوڑھی ہو جائے۔

غلط فہمی بہرکیف یہ چند نمونے تھے ان مسائل کے جن پر خود ساختہ ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ ان سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ہر فقہی حکم کی بنیاد کوئی آیت قرآنی، کوئی حدیث، کوئی اثر ضرور ہوتا ہے۔

(فاران ص۲۶)

ازالہ کسی بھی مسئلہ کی آپ نے دلیل نہیں دی۔ سوال کو بدل کر جواب دیا اور وہ بھی غلط۔ غرض یہ کہ اس قسم کے سینکڑوں مسائل ہیں۔ جن کی بنیاد نہ قرآن پر ہے نہ حدیث پر بلکہ فقہ حنفیہ آراء رجال کا مجموعہ اور خود ساختہ مسائل کا شاہکار ہے جن میں وہ مسائل بھی شامل ہیں جو ناممکن الوقوع ہیں۔

غلط فہمی | قرآن و سُنّت نے تو ہمیں اصول عطا فرمائے ہیں، ان اصول کی روشنی میں فقہاء مجتہدین نے اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مُطابق جزئیات مستنبط فرمائے ہیں۔ (فاران ص۲۶)

ازالہ | ہمیں تسلیم ہے کہ یہ جزئیات خود قرآن و سُنّت نہیں بلکہ ہم تو پھر اعلان کرتے ہیں کہ یہ جزئیات آپ کے فقہاء نے گھڑے ہیں اور آپ کی فقہ خود ساختہ ہے اور اب تو آپ نے بھی تسلیم کر لیا کہ یہ جزئیات فقہاء نے مستنبط کیے ہیں، لہٰذا آپ نے بھی ہماری تائید کر دی۔ ایک بات اور عرض کر دوں کہ فقہاء نے یہ مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے خلاف بھی گھڑے ہیں۔ اس کی مثالیں آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں۔ اور اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں بھی مستنبط فرمائے ہیں تو ان کو قوانین شرعیہ کی حیثیت تو حاصل نہیں ہونی چاہیے تھی۔ قاضی کا فیصلہ عارضی طور پر تو نافذ ہو سکتا ہے لیکن قانونِ شرعی نہیں بن سکتا۔ اور آپ کے ہاں فقہاء کا فتویٰ قوانین کی حیثیت سے مانا جاتا ہے۔ متأخرین کو اجتہاد کا حق نہیں بلکہ اسی فتویٰ پر فتویٰ دینا لازمی ہے۔ گویا کہ وہ منزل من اللہ قانون ہے۔ کیا یہ شرک نہیں؟

غلط فہمی | کسی شخص کو ان جزئیات سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ان کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں اپنی طرف سے گھڑا گیا ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ برانڈی، وہسکی، بیئر، تجارتی سود۔ سینما بینی، فوٹو گرافی کی حُرمت کا حکم تم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، قرآن و سُنّت میں اس کے حرام ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ (فاران ص۲۶)

ازالہ | ان جیسے مسائل کے متعلق خود ساختہ ہونے کا الزام کوئی نہیں دیتا۔ یہ مسائل تو سب قرآن و حدیث کے اندر موجود ہیں۔ مثلاً برانڈی کو اگر کوئی شخص

حرام کہتا ہے تو دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے "کُلّ مسکر حرام" ہر نشہ کی چیز حرام ہے۔ کیونکہ برانڈی نشہ آور ہے لہٰذا حرام ہے۔ دلیل صاف موجود ہے۔ کوئی اس میں پیچیدگی نہیں کہ کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئے۔ ہر شخص برانڈی کو اس دلیل کے ماتحت ہی حرام سمجھے گا۔ یہاں کوئی جُزئیہ نہیں گھڑا گیا۔ جزئیہ اسے کہتے ہیں جو آپ کے مندرجہ ذیل مسئلہ میں ہے۔

مایتخذ من الحنطة و	جو شراب گیہوں۔ جَو۔ شہد اور
الشعیر والعسل والذرة	جوار سے بنائی جائے وہ امام
حلال عند ابی حنیفة	ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے
ولا یحد شاربه عنده	اور اس کے پینے والے کو ان کے
وان سکر منه	نزدیک حد نہیں لگائی جائے گی
(ھدایۃ، کتاب الاشربۃ)	اگرچہ اُسے نشہ آ گیا ہو۔

کہیے یہ جزئیہ اصول کے ماتحت ہے یا خلاف۔ اگر ماتحت ہوتا تو نشہ آور چیز کے پینے پر حد لگانا ضروری تھا۔ لیکن یہاں اصول کے خلاف فتویٰ دیا گیا ہے۔ فرمایئے یہ مسئلہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہے؟ یا خود ساختہ؟

اچھا یہ بتایئے کیا نماز کی نیت زبان سے کرنا حدیث میں ہے؟ جس طرح نشہ آور چیز کے لئے اللہ نے ہمیں ایک عام اصول دیا کہ ہر نشہ کی چیز حرام ہے۔ کیا اسی طرح نماز کے متعلق بھی ہمیں کوئی عام اصول دیا گیا ہے کہ "نماز میں جو چیز تم نماز کے حق میں مناسب سمجھو جس سے خشوع و استحضار میں اضافہ ہوتا ہو ایجاد کر سکتے ہو" مثلاً رکوع میں جانے سے پہلے استحضارِ نیت کے لئے زبان سے کہہ لیا کریں کہ "اے اللہ میں اب تیرے لئے رکوع کرتا ہوں"۔ اسی طرح سجدوں میں کر لیا کریں۔ کیا آپ اس کی اجازت دے سکتے ہیں؟

رات کے وقت بیوی کے بجائے غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ جائے تو بیوی حرام ہو جائے گی، فرمائیے یہ کس اصول کے ماتحت ہے۔ کیا ایسا کوئی اصول ہے کہ غلطی سے اگر کوئی شخص حرام کام کر بیٹھے تو اس کے نتیجہ میں حلال چیزیں حرام ہو جائیں گی۔ کیا حرام کام کرنے سے حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں؟ اگر کوئی اصول ہے تو اس کے برعکس یعنی حرام کرنے سے حلال حرام نہیں ہو سکتا اور یہاں تو اس شخص نے حرام کام کیا بھی نہیں۔ بلکہ صرف ہاتھ ہی لگایا ہے اور وہ بھی غلطی سے۔ کیا صرف اتنی سی بات پر اُس کی حلال بیوی حرام ہو جائے گی۔ یہ عجیب مذہب ہے کہ اس میں بھول چُوک بھی معاف نہیں۔

اس بات کو پھر ذہن نشین کر لیجئے کہ کسی پیش آمدہ مقدمہ میں شریعت کی روشنی میں قاضی کا فیصلہ کر دینا اور بات ہے اور ہر ایسے معاملہ میں اس فیصلہ کو قانون سمجھنا اور بات ہے۔ پہلی صورت حلال اور ناگزیر ہے۔ دوسری "شرک فی التشریع" ہے۔

غلط فہمی | ہمارے لئے اس سے زیادہ تباہ کن چیز کوئی نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ان فروعی مسائل پر دست و گریباں ہوں۔

(فاران ص۲۷)

ازالہ | شرک اور توحید کا مسئلہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ تقلید شرک ہے، مسائل گھڑنا شرک ہے۔ آپ ان چیزوں سے توبہ کیجئے۔ پھر اگر آپ کا ہم سے اجتہادی طور پر کسی اور مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو وہ قابلِ برداشت ہو گا۔

غلط فہمی | ہماری شوکت و عظمت کے پرچم کسی دشمن نے سرنگوں نہیں کئے، ہم نے خود آپس کی خانہ جنگیوں کے ذریعہ انہیں ایک ایک کر کے زیر کیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں فروعی مسائل پر

معرکے گرم ہوئے ہیں، ہمیشہ ان سے اسلام کے دشمنوں نے فائدہ اُٹھایا ہے۔

(فاران ص۲۷)

ازالہ فروعی مسائل پر معرکے مقلدین میں ہوئے۔ اور یہ سب کچھ تقلید اور شخصیت پرستی کی وجہ سے ہوا۔ نہ شخصیت پرستی ہوتی نہ فرقے بنتے۔ نہ جھگڑے ہوتے۔

ہماری مقلدین سے اس قسم کی کوئی معرکہ آرائی نہیں ہوئی۔ بلکہ جب کبھی ہماری تحریک نے شدت اختیار کی تو بحث کا محور صرف توحید رہا۔ ہمارا آپ کا اختلاف توحید اور شرک کا اختلاف ہے۔

فاران کا تبصرہ

ماہ جون ۱۹۶۴ء کے فاران میں مدیر صاحب نے "تلاش حق" پر اپنا تبصرہ شائع کیا تھا۔ اس تبصرہ کا جواب اس کتاب کے شروع میں بعنوان تعارف شامل کر دیا گیا ہے بجائے اس کے کہ مدیر صاحب اس جواب کا جواب دیتے انہوں نے اپنے اس تبصرہ کے چند اقتباسات پھر اپنے رسالہ بابت ماہ مئی ۶۵ء میں تقی صاحب کے مضمون کے بعد دوہرا دیئے ہیں۔ مطلب یہ کہ تم کچھ بھی کہتے رہو ہم اپنی بات کہے جائیں گے۔

مدیر صاحب نے آخر میں ہمیں الزام دینے کے لئے ایک مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ مقلدین کو بھی فرقہ ناجیہ میں شمار کرتے ہیں۔ حامد مقلدین کو کافر نہیں سمجھتے اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتے۔ بلکہ ان کو صرف خاطی سمجھتے ہیں۔

اس کے جواب میں مختصراً یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ ہم کسی کے مقلد نہیں، لہٰذا کسی عالم کے قول یا تحریر سے ہم کو الزام دینا ظلم ہے۔

ہمارے نزدیک صرف قرآن و حدیث حجت ہے اور بس۔ نواب صاحب نے اگر

ایسا لکھا ہے تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہم ان کی غلطی میں ان کی پیروی نہیں کر سکتے۔

جس کتاب سے یہ اقتباس نقل کئے گئے ہیں غالباً وہ اُن کی ابتدائی تصنیف ہے اور اسی وجہ سے اس میں نرمی اور مداہنت پائی جاتی ہے۔ بعد کی تصنیفات میں بہت زیادہ سختی پائی جاتی ہے اور جو ہم کہتے ہیں، نواب صاحب گویا اس کی تائید کرتے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ ہماری باتیں نواب صاحب کے اقوال کی صدائے بازگشت ہیں۔

نواب صدیق حسن صاحب سُورۂ آلِ عمران کے مباہلہ والی آیت کی تفسیر میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

"کتاب و سُنت ذم تقلید واہلِ تقلید سے پُر ہیں، مباہلہ کریں تو کس برتے پر کریں۔ نصارٰی نجران کے تین خدا بتاتے تھے۔ مقلدین چار امام واجب الاتباع بتاتے ہیں، وہ تثلیث تھی یہ تربیع ہے۔ وہ شرک فی الالوہیت تھا یہ شرک فی الرسالت"۔ (تفسیر ترجمان القرآن سُورۂ آلِ عمران)

ایک اور جگہ اسی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

"تقلید کسی عالِم یا درویش کی دینِ خدا میں شرک ہوتی ہے"۔

(تفسیر سُورۂ توبہ)

نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

ای بدعة أعظم من بدعة التقلید۔ {الدین الخالص جلد ۴ صـ ۱۱۱}	تقلید کی بدعت سے کون سی بدعت بڑی ہو سکتی ہے۔
أمّ البدع ورأس الشنع۔ {الدین الخالص جلد چہارم صفحہ ۲۳۶}	تقلید تمام بدعتوں کی ماں ہے اور تمام برائیوں کا سر ہے (یعنی تقلید بدعتوں اور برائیوں کا منبع اور سرچشمہ ہے)

نواب صاحب نے "الدین الخالص" کی پوری ایک جلد تقلید کی برائی میں تحریر فرمائی ہے۔

کتاب کی ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والشرك هو المنهي عنه	شرک وہ چیز ہے جس کی ممانعت
وفيه ان التقليد نوع من	کیگئی ہے اور اس کتاب میں یہ بھی
انواعه اعاذنا الله منه	(ثابت کیا گیا) ہے کہ بیشک تقلید
(الدین الخالص جلد اول ص۳)	شرک کے اقسام میں سے ایک قسم

ہے۔ اللہ ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔

ماہر القادری صاحب سے گذارش ہے کہ وہ مندرجہ بالا اقتباسات بھی پڑھیں اور اپنی اصلاح فرمائیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نوٹ:۔ علامہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کی تحریریں دلیل کے طور پر پیش نہیں کی گئیں بلکہ الزامی جواب کے طور پر۔

صـ۹ پر جو مسائل دئے ہوئے ہیں ان کے حوالے

(۱) عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھیں اور مرد ناف کے نیچے

ویعتمد بیدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ تحت السرۃ (ہدایہ جلد اول صـ۱۰۲ مطبوعہ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی) بعد تکبیر تحریمہ کے فوراً ہاتھوں کا باندھ لینا مردوں کو ناف کے نیچے عورتوں کو سینے پر (علم الفقہ جلد دوم صـ۷)

(۲) زبان سے نیت کرنا

ویحسن ذلک لاجتماع عزیمتہ (ہدایہ جلد اول صـ۹۶) والقصد مع لفظہ افضل (شرح وقایہ ۱/۱۵۹)

(۳) وتر صرف تین رکعت ہیں

الوتر ثلث رکعات وجبت (شرح وقایہ ۱/۱۹۹ مطبوعہ مطبع انوار محمدی)

(۴) جانور، مردہ عورت اور نابالغ لڑکی کی شرمگاہوں کو پلنگ کا سوراخ سمجھنا۔

ماہر القادری لکھتے ہیں :-

حیوانات کے دبر پر کپڑے وغیرہ کے بنائے ہوئے خولوں اور چارپائی کے سوراخوں کا قیاس کیا جائے گا جن میں صرف دخول سے غسل فرض نہیں ہوتا (فاران بابت ماہ جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۰)

⑤ جانور، مردہ عورت یا نابالغ لڑکی سے وطی کرے تو جب تک انزال نہ ہو غسل فرض نہیں ہوتا۔

بخلاف البھیمۃ (ہدایہ ۱/۳۰) لا وطی بھیمۃ بلا انزال (شرح وقایۃ ۱/۸۴) ولا عند وطء بھیمۃ او میتۃ او صغیرۃ غیر مشتھاۃ (درمختار) (ردالمحتار جزء اوّل ص ۱۲۲ مطبوعہ مکتبۂ ماجدیہ۔ کوئٹہ۔ الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۹۹ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم صرف ایک یعنی : اللہ تبارک و تعالیٰ .. اللہ کے سوا کوئی نہیں

ہمارا امام صرف ایک یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .. فرقہ وارانہ امام نہیں

ہمارا دین صرف ایک یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام .. فرقہ وارانہ مذہب نہیں

ہمارا نام صرف ایک یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام مسلم .. فرقہ وارانہ نام نہیں

ہماری محبت صرف ایک یعنی : اللہ تعالیٰ سے تعلق .. دنیوی تعلقات نہیں

وجہ افتخار صرف ایک یعنی : ایمان باللہ العظیم .. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

لٹریچر مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین۔ مرکز بابرزئی کالونی۔
نزد مرکز الاسلام ۱۱، بلاک بی، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضمیمہ

تقلید کی شرعی قباحت

مقدمہ

ہمیں بھی مرنا ہے اور تقی صاحب کو بھی مرنا ہے۔ میدانِ محشر میں ہمیں بھی اپنے عقائد و اعمال کا حساب دینا ہے اور تقی صاحب کو بھی۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت ہی میں تمام مقدمات کا فیصلہ ہوگا۔

تقی صاحب نے اگر توبہ نہ کی تو ہمارے اور ان کے مقدمہ کا فیصلہ بھی میدان محشر ہی میں ہوگا۔

بس یہی اس ضمیمہ کا مقدمہ ہے۔

نوٹ :۔ یہ ضمیمہ کئی سال پہلے لکھا گیا تھا لیکن فرصت نہ ہونے کی وجہ سے وقت پر شائع نہ ہو سکا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آج سے تقریباً تیس سال پہلے ایک کتاب بنام "تلاشِ حق" شائع ہوئی تھی جس میں تقلید اور احناف کے بعض مسائل پہ نقد و جرح کی گئی تھی۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ماہر القادری صاحب کو پیش کیا گیا۔ انھوں نے اپنے رسالہ "فاران" بابت ماہ جون ۱۹۶۴ء میں اس پہ تبصرہ فرمایا۔ تبصرہ کیا تھا، طنز و تشنیع کا مرقع تھا۔ بجائے دلائل سے جواب دینے کے تضحیک و تحقیر سے جواب دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ جہل مرکب، افلاسِ علم و بصیرت، جاہلانہ عقیدہ وغیرہ کے اوصاف سے نوازا گیا تھا۔

ماہر القادری صاحب کے تبصرہ کے جواب میں انہیں ایک خط بھیجا گیا جس میں ان کے تبصرہ کے سلسلہ میں چند گزارشات درج تھیں۔ ماہر صاحب نے وہ خط محمد تقی صاحب کو بھیج دیا۔ محمد تقی صاحب نے اس خط کے جواب میں ایک مضمون بعنوان "تقلید کیا ہے" تحریر فرمایا۔ تقی صاحب کا یہ مضمون ماہ مئی ۱۹۶۵ء کے فاران میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں جو غلط فہمیاں تھیں ان کے ازالہ کے لئے ہماری طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام "التحقیق فی جواب التقلید" ہے۔ یہ کتاب ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوئی تھی اس کتاب کو شائع ہوئے ۲۵ سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو گیا لیکن جو سوالات اس میں کئے گئے تھے وہ ابھی تک جواب سے محروم ہیں۔

۱۳۹۶ھ میں محمد تقی صاحب نے اپنے مضمون "تقلید کیا ہے" کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کتاب کا نام ہے "تقلید کی شرعی حیثیت" اس کتاب میں

چند اضافے تو ضرور ملتے ہیں لیکن "التحقیق فی جواب التقلید" کے سوالات کا جواب نہیں ملتا۔ اپنی بات کو بار بار دہرانا اور دوسرے کی باتوں کا جواب نہ دینا یہ کوئی اچھی چیز نہیں۔ تقی صاحب سے ہماری گزارش ہے کہ یہ روش چھوڑ دیں تو بہتر ہے، یہ روش آپ کے شایانِ شان نہیں اور اگر آپ یہ روش نہ چھوڑیں اور اس میں اپنی عافیت سمجھیں تو پھر سوچئے کیا میدانِ محشر میں بھی یہ چیز عافیت کا سبب ہوگی یا نہیں۔

تقی صاحب اسلام سنہ ۱۰ھ میں مکمل ہوگیا تھا اور آپ کا بھی یہی عقیدہ ہوگا۔ تو پھر آپ سوچئے کہ ان چار اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کو داخل فی الدین کرنا اس عقیدہ کی خلاف ورزی ہے یا نہیں؟

کیا اسلام کے متعلق نقص کا عقیدہ رکھنا ایمان کے منافی نہیں؟ اگر آپ نقص کا عقیدہ نہ رکھیں لیکن عملاً اسلام میں اضافے کرتے چلے جائیں تو بتائیے یہ کس عقیدہ کی ترجمانی ہوگی؟

آپ سوچتے ہوں گے کہ آخر ہم نت نئے مسائل کا کیا جواب دیں سوال یہ ہے کہ آپ کو جواب دینے کی ضرورت کیا ہے۔ آپ دین پہنچائیے۔ جو چیز دین میں نہیں ہے اس کو پہنچانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خاموش ہیں لہٰذا ہم بھی خاموش ہیں، بتائیے اس میں عافیت ہے یا نہیں۔

تقی صاحب کی کتاب "تقلید کی شرعی حیثیت" کی اکثر باتوں کا جواب تو ہماری کتاب "التحقیق فی جواب التقلید" میں موجود ہے۔ اس کتاب میں تقی صاحب نے اضافے کئے ہیں وہ چنداں قابل اعتناء تو نہیں تاہم یہی مناسب سمجھا گیا کہ ان کا بھی جواب دے دیا جائے۔ تقی صاحب کی عبارت کو ہم غلط فہمی کے عنوان سے ذکر

کریں گے اور آخر میں ان کی کتاب "تقلید کی شرعی حیثیت" کے صفحات کا حوالہ بھی دیں گے پھر ہم ازالہ کے عنوان سے تقی صاحب کی عبارت کا جواب دیں گے۔

اس سے پہلے کہ ہم تقی صاحب کی کتاب کا جواب دیں، پہلے ہم ان کی کتاب سے ایک عبارت ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ تقی صاحب فرماتے ہیں :۔

"کونسی چیز حلال ہے؟ کونسی چیز حرام؟ کیا جائز ہے؟ کیا ناجائز؟ ان تمام معاملات میں خالصۃً اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرنی ہے اور جو شخص اللہ اور رسولؐ کے بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے" (ص ۷)

تقی صاحب نے کتنی اچھی بات کہی ہے۔ ایک ایک لفظ سے توحید اور ایمان جلوہ گر ہے۔ ہم ان کی اس بات سے سو فیصدی متفق ہیں اور ان سے گزارش کرتے ہیں کہ عملی میدان میں بھی وہ اسے مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ایسا کر لیں اور اگر وہ ایسا کر لیں تو ہمارے اور ان کے مقدمے کا فیصلہ دنیا ہی میں ہو جائے گا۔

اس کے بعد تقی صاحب نے لکھا ہے کہ احکام شرعیّہ میں ابہام، احتمال اور تعارض ہوتا ہے ایسے احکام میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے اس سلسلہ میں انہوں نے چند مثالیں بھی دی ہیں (ص ۸ تا ۱۰ ملخصًا)

اس کا جواب "التحقیق" میں ص ۲۴ تا ۳۰ پر دے دیا گیا ہے۔ اسے ملاحظہ فرمائیں۔

پھر تقی صاحب نے صفحہ ۱۱ تا ۱۲ پر عبدالغنی نابلسی، خطیب بغدادی، اور اشرف علی تھانوی کی عبارتیں نقل کی ہیں (یہ عبارتیں تقی صاحب کے

مضمون "تقلید کیا ہے" میں نہیں تھیں۔ اب اضافہ کی گئی ہیں) کیونکہ یہ عبارتیں حجّت شرعیہ نہیں ہیں لہٰذا ہم ان کے جواب کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ بات آپ کہیں یا اشرف علی تھانوی صاحب کہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ بات تقی صاحب نے خود تسلیم کی ہے کہ علماء کے اقوال نہ مآخذ شریعت ہیں نہ دلیل، تقی صاحب فرماتے ہیں :۔

"تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول مآخذ شریعت میں سے نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کر لینا۔" (ص ۱۴)

اس کے بعد تقی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ اماموں کو شارع سمجھ کر تقلید نہیں کرتے بلکہ شارح سمجھکر تقلید کرتے ہیں۔ اس کے جواب کے لئے "التحقیق" ص ۳۱ تا ۴۳ ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ صرف شارع ہی نہیں بلکہ شارح بھی ہے۔

غلط فہمی | تشریح و تفسیر کے لئے ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کرنے اور ان پر اعتماد کرنے کا نام تقلید ہے (ص ۱۵)

ازالہ | اوّل تو یہ تقلید کی تعریف نہیں۔ ملاحظہ ہو "التحقیق" ص ۲ تا ۲۳۔ دوم۔ اگر اس تعریف کو مان بھی لیا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ صرف چار اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔

غلط فہمی | پھر تقی صاحب نے تقلید کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ پہلی "تقلید مطلق" دوسری "تقلید شخصی"۔ تقی صاحب لکھتے ہیں :۔

"اگر ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا گیا ہے تو دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے اس کو "تقلید مطلق" یا "تقلید عام" یا "تقلید غیر شخصی" کہتے ہیں۔" (ص ۱۵)

ازالہ تقلید کے اس مفہوم کے لحاظ سے لفظ تقلید قرآن مجید اور احادیث میں کہیں نہیں لہذا اس پر بحث ہی فضول ہے۔

فرض کیجئے کہ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کسی سے بھی دریافت کرنا تقلید مطلق کہلاتا ہے تو اس تقلید سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ ہمیں تو تقلید شخصی سے بحث ہے۔

غلط فہمی اس کے بعد تقی صاحب نے تقلید کے وجوب پر قرآن مجید کی چند آیات پیش کی ہیں۔ تقی صاحب لکھتے ہیں:

(۱) قرآن کریم کا ارشاد ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا	کرو اور رسول کی اطاعت کرو
الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ	اور اپنے آپ میں سے اولو الامر
مِنْكُمْ (النساء : ۵۹)	کی اطاعت کرو۔

"اولوا الامر" کی تفسیر میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان حکام ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فقہاء مراد ہیں۔ یہ دوسری تفسیر حضرت جابر بن عبداللہ رض، حضرت عبداللہ بن عباس رض ..... سے منقول ہے (صـ ۱۶)

ازالہ (۱) اگر دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رض وغیرہ سے مروی ہے تو پہلی تفسیر حضرت ابوہریرۃ رض سے مروی ہے۔ اخرجہ الطبری باسناد صحیح (فتح الباری جزء ۹ صـ ۳۲۳) حضرت ابوہریرۃ رض فرماتے ہیں۔ ھم الامراء یعنی اولوا الامر سے امراء مراد ہیں۔

(۲) تقی صاحب کاش اس سلسلہ میں آپ کوئی مرفوع حدیث پیش کرتے،

اس سلسلہ میں مرفوع حدیث حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں :۔

نَزَلَتْ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ إِذْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)	یہ آیت عبداللہ بن حذافہ رضؓ کے معاملہ میں نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر پر (امیر بناکر) روانہ کیا۔

حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں :۔

بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهَا رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُّطِيْعُوْهُ (صحیح بخاری کتاب المغازی)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس پر آپ نے ایک انصاری کو امیر مقرر کیا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ ان کی اطاعت کریں۔

تقی صاحب بتایئے یہ مرفوع حدیثیں کیا بتارہی ہیں ؟ کیا ان حدیثوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اولوا الامر سے مراد امراء ہیں۔ مرفوع حدیث ہوتے ہوئے اثر صحابی پیش کرنے میں کیا مصلحت ہے ؟

(۳) ''اولوا الامر'' میں لفظ امر واقع ہوا ہے بتایئے یہ امراء کا مادّہ ہے یا علماء کا۔ علماء کا مادہ تو علم ہے نہ کہ امر پھر آپ کیسے اولوا الامر سے علماء مراد لیتے ہیں۔

(۴) تقی صاحب کیا اس آیت میں اولوا الامر سے مراد چاروں امام ہیں یا ان چاروں میں سے ایک ؟ آیت کے کس لفظ سے آپ آئمہ اربعہ اور پھر ان میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو واجب کہتے ہیں ؟

(۵) تقی صاحب آپ نے صفحہ ۱۶، ۱۷ پر اقوال الرجال کی مدد سے بڑے

شدّ ومدّ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اولوا الامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کی روشنی میں ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں لیکن پھر بھی اس آیت سے تو تقلید شخصی ثابت نہیں ہوتی بلکہ متعدد علماء کی تقلید ثابت ہوتی ہے حالانکہ ہماری بحث تقلید شخصی سے ہے اور اس کا اس آیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کاش آپ تقلید شخصی کے ثبوت میں کوئی آیت پیش کرتے۔

(٦) تقی صاحب نے صـ۱۶ پہ یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اولوا الامر سے مراد دونوں ہیں یعنی امراء بھی اور علماء بھی اور ظاہر ہے کہ دونوں کی اطاعت کا حکم ایک ہی ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ امراء اور علماء کی اطاعت دینی معاملات میں ہے یا دنیوی معاملات میں۔ اگر دنیوی معاملات میں ہے تو ہماری آپ کی بحث ہی ختم ہوجاتی ہے کیونکہ اس صورت میں آیت سے تقلید کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔ اگر دینی معاملات میں ہے تو یہ بتایئے کہ وہ دین کامل کے احکام پہنچا کر اطاعت کرانے کے مستحق ہیں یا دین کامل میں جو مسائل نہ ہوں بلکہ ان کو خود انہوں نے اپنی رائے۔ قیاس اور اجتہاد سے نکالا ہو اس میں وہ اپنی اطاعت کرانے کے مستحق ہیں۔ کیا یہ دین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ کیا اس کے بعد بھی آپ اس دین کو کامل کہہ سکیں گے؟ کیا کسی کی رائے بھی دین بن سکتی ہے؟ کیا یہ شرک فی الدین نہیں ہوگا؟

(٧) تقی صاحب اچھا اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر یہ بتایئے کہ "اولوا الامر" سے زندہ امراء اور علماء مراد ہیں یا فوت شدہ۔ اگر زندہ مراد ہیں تو پھر آپ کسی فوت شدہ کی تقلید کیوں کرتے ہیں؟ اگر فوت شدہ مراد ہیں تو بتایئے کہ فوت شدہ امراء کی تقلید کیسے ہوگی؟ اگر فوت شدہ امیر کی اطاعت لازم ہو تو پھر بڑا فساد پیدا ہوگا۔ موجودہ امیر کیا یہ برداشت کرلے گا کہ اس کی اطاعت تو نہ کی جائے بلکہ ایک

فوت شدہ امیر کی اطاعت کی جائے، یہ تو بڑا مشکل مرحلہ ہوگا کہ فوت شدہ امیر کی اطاعت تو کی جائے اور زندہ امیر کی نافرمانی کی جائے، پھر فوت شدہ امیروں میں سے اگر کسی ایک ہی کی اطاعت لازمی ہوگی تو آخر اس کا انتخاب کیسے ہوگا؟

اگر آپ یہ کہیں کہ تقلید علماء میں سے تو فوت شدہ عالم کی ہوگی اور امراء میں سے موجودہ امیر کی، تو آخر اس تفریق پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟

⑧ آیت مذکورہ کی تفسیر میں بیسیوں احادیث میں امیر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے، کیا کسی صحیح حدیث میں کسی عالم کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے؟ تقی صاحب ذرا غور کیجئے تو آپ کو یہ تو مل جائے گا کہ علماء سے پوچھ لو لیکن یہ کہیں نہیں ملے گا کہ علماء کی اطاعت کرو۔ علماء کا کام اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ و سلم) کی بات پہنچانا ہے، اپنی اطاعت کرانا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی آیت یا حدیث میں علماء کی اطاعت کو فرض نہیں کیا گیا۔

غلط فہمی رہا اسی آیت کا اگلا جملہ جس میں ارشاد ہے کہ :۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	پس اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دو اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

سو یہ اس تفسیر کے مطابق مستقل جملہ ہے جس میں مجتہدین کو خطاب کیا گیا ہے (ص ۱۷)

ازالہ ① تقی صاحب آپ نے قرآن مجید یا حدیث سے کوئی دلیل نہیں

دی کہ یہ مستقل حملہ ہے، پھر ہم کیسے آپ کی بات تسلیم کرلیں۔ علماء کے اقوال تو دلیل نہیں ہیں۔

② آیت ایک ہی ہے۔ شروع آیت میں ایمان والوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور ان ہی ایمان والوں کو خطاب کر کے یہ دوسرا جملہ بھی کہا گیا ہے۔ دوسرا اسنادی ہمیں تو کہیں آیت میں دکھائی نہیں دیتا۔

③ اگر اس جملہ میں مجتہدین کو خطاب کیا گیا ہے تو مذاہب اربعہ کے مجتہدین نے اس حکم پر عمل کیوں نہیں کیا؟ ابھی تک کیوں اختلاف پر اڑے ہوئے ہیں؟

④ کیا اس آیت میں اولوالامر سے مراد امام ابو حنیفہ اور مجتہدین سے مراد قاضی ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ ہیں؟ اگر ہیں تو اس کی کوئی دلیل؟ تقی صاحب اصل بات یہ ہے کہ آیت کا جو جملہ تقلید کی تردید میں نص قاطع ہے اس کو آپ توڑ مروڑ کر اپنے مطابق بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

⑤ کیا آج کل کے علماء مقلدین بھی اس جملہ کے مخاطب نہیں ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو آخر وہ کیوں ایک دوسرے کو عالم کہتے ہیں۔ اپنے کو جاہل کیوں نہیں کہتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مقلد عالم نہیں ہو سکتا۔ یہ ہم التحقیق میں پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو (التحقیق ص ۱۹ تا ۳۰)

اس کے بعد تقی صاحب نے صفحہ ۱۹ تا ۲۲ پر تقلید کے ثبوت میں مزید دلائل دیئے ہیں۔ ان کا جواب التحقیق میں دیا جا چکا ہے ص ۳۶ تا ۴۰ ملاحظہ فرمائیں۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں: قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل ۴۳)

الانبیاء ۷) اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔ اس آیت میں یہ اصولی ہدایت دیدی گئی ہے کہ جو لوگ کسی علم و فن کے ماہر نہ ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ اس علم و فن کے ماہرین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں۔ اور یہی چیز تقلید کہلاتی ہے (ص ۲۳)

ازالہ تقی صاحب آپ کو ہر چیز تقلید نظر آتی ہے، اگر یہی چیز تقلید ہے تو پھر آجکل جو لوگ علماء احناف سے سوال کرتے ہیں کیا وہ ان علماء کے مقلد ہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ امام ابوحنیفہ ہی کے مقلد ہیں اور ان علماء سے پوچھنے کے باوجود وہ امام ابوحنیفہ کے ہی مقلد ہیں تو علماء ربانی سے پوچھنے کے بعد بھی وہ متبع رسول ہی رہیں گے۔ ان علماء ربانی کے مقلد نہیں ہوں گے۔

ایک حنفی عالم ایک جاہل حنفی کو وہی مسئلے بتاتا ہے جو امام ابوحنیفہ کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جاہل حنفی بھی حنفی عالم سے اسی لئے سوال کرتا ہے کہ وہ عالم اسے امام ابوحنیفہ ہی کے مسائل بتائے گا اس طرح گویا حنفی عالم اس جاہل حنفی اور امام ابوحنیفہ کے مابین صرف واسطہ ہوتا ہے۔ بات امام ابوحنیفہ کی ہی ہوتی ہے اور اسی لئے وہ حنفی ہی رہتا ہے۔

بالکل اسی طرح ایک مسلم جب کسی عالمِ ربانی سے سوال کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ عالمِ ربانی اسے اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات بتلائے گا اور عالمِ ربانی یقیناً اسے اللہ تعالےٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات بتاتا ہے، وہ عالمِ ربانی اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس مسلم کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور بس، لہٰذا وہ مسلم اس عالمِ ربانی کی بات سن کر اس عالم کا مقلد نہیں بنتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا متبع رہتا ہے۔

ایک مسلم جب کسی عالمِ ربانی سے سوال کرتا ہے تو اس حسنِ ظن کی بنیاد پر کرتا ہے کہ وہ عالم اُسے اپنی رائے کا مقلّد نہیں بنائے گا بلکہ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتائے گا برخلاف اس کے ایک مقلّد اپنے عالم سے یہی توقع رکھتا ہے کہ وہ اسے امام ابوحنیفہ کی رائے بتائیگا۔

یہاں پہنچ کر غالباً آپ یہ کہیں گے کہ امام ابوحنیفہ کی بات اللہ تعالےٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات ہوگی۔ گویا جاہل حنفی اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین وہ حنفی عالم اور امام ابوحنیفہ دونوں واسطے کا ہی کام کر رہے ہیں لہذا وہ جاہل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا متبع ہوا نہ کہ امام ابوحنیفہ کا، تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ کیوں اسے امام ابوحنیفہ کا مقلّد کہتے ہیں پھر یوں ہی کیوں نہیں کہتے کہ وہ اللہ تعالےٰ اور رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے۔ اگر آپ اس طرح کہنے لگیں تو تقلید کا صفایا ہو جائے گا لیکن غالباً آپ کو یہ منظور نہیں کہ تقلید اور امام ابوحنیفہ کی نسبت ختم کی جائے تو پھر اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت پسند نہیں۔ کیا یہ مؤمن کا شعار ہے؟

اگر حنفی عالم اور امام ابوحنیفہ کو درمیانی واسطہ ہی قرار دیا جائے تو سائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو واسطے ہوں گے حالانکہ ایک مسلم سائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عالم ربّانی کا صرف ایک ہی واسطہ ہوتا ہے۔ بتائیے کون سی چیز بہتر ہے۔

مزید برآں یہ بتائیے کہ آیت میں تقلید شخصی کی کیا دلیل ہے۔ آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس عالم ربّانی سے چاہو پوچھ لو، آپ اشخاص کو متعین کیوں کرتے ہیں۔ آیت میں آئمہ اربعہ کے ناموں کی کہیں صراحت ہے جو آپ

ان آئمہ کی تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں۔ تقی صاحب کوئی ایسی آیت پیش کیجئے جس میں ان اماموں کی تقلید کو ضروری قرار دیا گیا ہو۔ ہمارا تو سوال یہ ہے، آپ اس سوال کو چھوڑ کر دور نہ نکل جایا کریں۔

ہر امام کی تقلید اسی لئے کی جاتی ہے کہ وہ امام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سائل کے درمیان واسطہ ہے، لیکن ایک امام کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ کہتا ہے۔ ایسی صورت میں کونسا امام واسطہ بننے کا مستحق ہے اور کون سے امام کی بات کو مسترد کر دیا جائے۔

تقی صاحب ہماری دعوت تو یہ ہے کہ ہم سب مل کر اس ایک ہستی کو امام مان لیں جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے امام کی موجودگی میں دوسرے امام بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی سے تو فرقے بنتے ہیں۔ فرقہ بندی کو تو آپ بھی پسند نہیں کریں گے تو پھر اُس ناپسندیدہ چیز کو ختم کرنے کی بس یہی ایک صورت ہے۔ جو ہم نے آپ کو پیش کی ہے۔ جب ہم سب ایک امام کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے تو ہمارا عالم صرف وہی بات بتائے گا جو قرآن مجید اور صحیح احادیث میں ہو گی، اپنی رائے نہیں دے گا، نہ رائے ہو گی نہ اختلاف ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا دین خالص رہے گا اور صرف جماعت المسلمین باقی رہ جائے گی۔

اس کے بعد تقی صاحب نے تقلید اور حدیث کے عنوان سے جو پہلی حدیث نقل کی ہے اس کا جواب "التحقیق" میں دیا جا چکا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۱ و ۴۲

اس کے بعد تقی صاحب نے اس کتاب میں چند مزید حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ ان حدیثوں کا لب لباب یہی ہے کہ جاہل عالم سے پوچھ

لے اور اس کا جواب بھی التحقیق میں دیا جا چکا ہے اور اس کتاب میں اوپر گذر چکا ہے۔

تقی صاحب بحث توساری تقلید شخصی پر ہے اور آپ دلائل تقلید مطلق کے دے رہے ہیں حالانکہ تقلید مطلق (جس کو ہم تقلید مطلق نہیں کہتے بلکہ جاہل کا عالم سے پوچھ لینا کہتے ہیں) سے ہمیں کوئی بحث ہی نہیں۔ براہ کرم ایسی حدیث پیش کیجیے جس میں ان اماموں کی تقلید واجب کی گئی ہو اور پھر یہ بھی اس حدیث میں ہو کہ ان چاروں کی تقلید مجموعی طریقہ پر نہ کرنا بلکہ ان چاروں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا۔

تقی صاحب ہمارے سوال کو نوٹ کیجئے۔ اگر اس کا جواب آپ کے پاس نہ ہو تو پھر یہ کہہ دیجئے کہ ان چار اماموں کے علاوہ دوسرے اماموں کی تقلید بھی ہو سکتی ہے اور پھر جب اس اصول کو وسعت حاصل ہو گی تو پھر تقلید شخصی کا وجود ختم ہو جائے گا یا پھر بے شمار امام ہوں گے جن کی تقلید کی جائے گی، لیکن یہ دونوں چیزیں آپ کو پسند نہیں اور آپ آئمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید کو پسند نہیں کرتے تو پھر دلائل میں آئمہ اربعہ کا ذکر ہونا چاہیئے۔

غلط فہمی اس کے بعد تقی صاحب نے عہد صحابہ اور تقلید مطلق کے عنوان کے تحت چند روایتیں درج کی ہیں مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا:

> اے لوگو جو شخص قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہو وہ ابی ابن کعبؓ کے پاس جائے۔ (ص۲۴)

ازالہ سوال یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ کے پاس کیا پوچھنے جائے، کیا قرآن مجید کا علم یا ان کی رائے۔ اگر قرآن مجید کا علم تو ہمیں اس سے کب انکار ہے۔ شاگرد استاد سے نہ پوچھے گا تو آخر کس سے پوچھے گا۔ یہ تو تعلیم و تعلم

ہے اس کا آخر تعلید سے کیا تعلق۔ اگر آپ کہیں کہ ان سے ان کی رائے پوچھے جائے تو کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ کسی کی رائے دین میں داخل کی جا سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ دین تو کامل ہے۔ اس میں کسی کی رائے کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ مزید برآں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تقلید مطلق سے ہم بحث نہیں کر رہے ہیں تو تقلید شخصی سے بحث ہے لہذا اس عنوان کے تحت تمام روایات کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ مجملاً جواب اوپر آچکا ہے۔

غلط فہمی تقی صاحب لکھتے ہیں:

کتاب وسنّت کی تشریح صالحین کے فیصلوں کی روشنی میں کی جائے (ص ۴۱)

ازالہ صالحین سے مراد صحابہ کرام رض کا اجماع ہے تو ہمیں اس سے اتفاق ہے۔ اگر اس سے مراد صحابہ کرام رض یا دوسرے صالحین کی انفرادی رائے ہے تو یہ طریقہ محلِ نظر ہے ہم اس کو ایک دو مثالوں سے واضح کرتے ہیں:-

(۱) حضرت امام زہری اور حضرت امام عطاءؒ فرماتے ہیں اگر صدقۂ فطر عید کے بعد دیا جائے تو کوئی حرج نہیں (ملحصاً مصنف عبدالرزاق جزء ۳ ص ۳۲۹)

کیا ان صالحین کے اقوال کی روشنی میں ہم صدقہ فطر عید کے بعد بھی ادا کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ حکم دیا تھا کہ عید گاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر دے دیا جائے (صحیح بخاری) اب بتائیے ہم حدیث کو مانیں یا حدیث کی وہ تشریح کریں جو امام زہریؒ اور امام عطاءؒ نے کی ہے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رض وغیرہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے (صحیح بخاری)

کیا آپ حدیث " فارکع رکعۃ " (صحیح بخاری) کی تشریح حضرت سعد رضؓ کے عمل کی روشنی میں کرنے کے لئے تیار ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ رکوع میں ہاتھوں کو رانوں کے درمیان رکھتے تھے (صحیح مسلم) تین آدمیوں کی جماعت میں ایک آدمی کو داہنی طرف اور ایک کو بائیں طرف کھڑا کر لیا کرتے تھے (صحیح مسلم)

کیا حضرت ابن مسعود رضؓ کے فعل کی روشنی میں آپ صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی توجیہ کر کے اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔

غلط فہمی | تقی صاحب اہل مدینہ کا قول نقل کرتے ہیں :

"ہم زید رضؓ کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کر سکتے۔"

یہ اگر تقلید شخصی نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟ (ص۴۷)

ازالہ | سوال یہ ہے کہ اہل مدینہ نے آخر حضرت ابن عباس رضؓ سے سوال ہی کیوں کیا تھا جب کہ وہ حضرت زید رضؓ کا قول چھوڑنے کے لئے تیار ہی نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ حضرت زید رضؓ کی بات کو تقلیداً ماننا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ اس کوشش میں تھے کہ حضرت زیدؓ کے قول کی دلیل تلاش کی جائے۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے بھی اپنا ہی قول پیش کیا۔ قول سے قول ٹکرا گیا۔ اب بتائیے وہ کیوں حضرت زید رضؓ کے فتوے سے رجوع کرتے۔ بالآخر مزید تحقیق کے بعد انہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت زید رضؓ کا فتویٰ غلط ہے انہوں نے بھی رجوع کیا اور حضرت زید رضؓ نے بھی۔

غلط فہمی | تقی صاحب لکھتے ہیں :۔

"بعض حضرات نے اس استدلال کے جواب میں یہ فرمایا ہے کہ اگر اہل مدینہ مقلّد ہوتے تو حضرت ام سلیم رضؓ کی حدیث کی تحقیق کیوں کرتے

لیکن یہ جواب اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ کسی مجتہد کی تقلید کرنے کے بعد احادیث کی تحقیق حرام ہو جاتی ہے۔" (ص ۴۵، ۴۶)

ازالہ تقلید کی تعریف یہ ہے :-

فاما المقلد فالدليل عندہٗ قول المجتهد فالمقلد يقول هذا الحكم واقع عندى لانہ ادّى اليہ رأىُ ابى حنيفة رحمہ الله وكل ما ادّى اليہ رأيہ فهو واقع عندى	مقلّد کے لئے مجتہد کا قول ہی دلیل ہوتا ہے یعنی مقلّد یہ کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہی حکم ہے اس لئے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے نے مجھے اس تک پہنچایا ہے لہذا یہی میرے نزدیک حقیقت ہے۔

(توضیح مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ۱۴۰۰ھ، ص ۴۳ و ۴۴)

تقلید کی اس تعریف کو آپ بدل دیں تو شاید پھر آپ کہہ سکتے ہیں کہ مقلّد حدیث تلاش کر سکتا ہے۔

مزید برآں مقلّد اگر حدیث کی تلاش کر کے صحیح بات معلوم کر لیتا ہے تو کیا وہ پھر بھی مقلد ہے۔ تقی صاحب آپ نے تقلید کو سلجھانے کے بجائے اور الجھا دیا۔

اس کے بعد تقی صاحب نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے واقعہ سے تقلید کی دلیل لی ہے۔ اس کا مکمل جواب "التحقیق" میں دیا جا چکا ہے۔ التحقیق طبع ثانی کے صفحات ۴۸ تا ۵۰ ملاحظہ فرمائیں۔

افسوس ہے کہ تقی صاحب نے اپنی اس کتاب میں "التحقیق" کا جواب نہیں لکھا۔ البتہ حضرت معاذ رضؓ کی حدیث کے سلسلہ میں ہم نے جو جرح کی تھی

اس کا جواب دیا ہے۔ تقی صاحب نے اپنی پوری کتاب میں بس صرف اس جگہ "التحقیق" پر نظر کرم کر کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

غلط فہمی تقی صاحب لکھتے ہیں :۔

"علامہ ابن قیمؒ نے امام جوزقانیؒ کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے، اور بتایا ہے کہ حضرت معاذؓ کے جن اصحاب سے یہ حدیث مروی ہے ان میں کوئی متہم، کذّاب یا مجروح نہیں ہے، دوسرے انہوں نے خطیب بغدادیؒ کے حوالہ سے اسی حدیث کا ایک دوسرا طریق "عبادة بن نسی عن عبد الرحمٰن بن غنم عن معاذؓ" بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "وھذا اسناد متصل ورجالہ معروفون بالثقة" (تقلید کی شرعی حیثیت ص۵ کا حاشیہ)

ازالہ ایک حدیث اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ حضرت معاذؓ نے کہا :۔ میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کتاب اللہ میں نہ ملے" عرض کیا کہ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے (فیصلہ کروں گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں سنّت رسول اللہ میں نہ کتاب اللہ میں (حل) ملے تو کیا کرو گے۔ عرض کیا میں اپنی رائے سے کوشش کروں گا اور (کوشش کرنے میں) کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر اپنا دست مبارک مارا اور فرمایا : اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جس بات سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

تقی صاحب نے تقلید کے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کیا تھا۔ ہم نے علامہ جوزقانی کے حوالہ سے لکھا "یہ حدیث باطل ہے"۔ تقی صاحب نے

ہماری تضعیف کے جواب میں مندرجہ بالا عبارت نقل کی ہے اور علامہ ابن قیم کا حوالہ پیش کیا ہے۔

ابن قیم نے لکھا ہے کہ "خطیب بغدادی کی سند متصل ہے اور اس کے رجال ثقاہت میں معروف ہیں" لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ خطیب بغدادی کی تعلیق ہے۔ تخریج نہیں ہے۔ خطیب نے پوری سند نقل نہیں کی بلکہ اس روایت کو وثوق کے ساتھ نقل بھی نہیں کیا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں" وقد قیل ان عبادة بن نسی رواه عن عبد الرحمٰن بن غنم عن معاذؓ۔ کہا جاتا ہے کہ عبادہ بن نسی نے اسے عبدالرحمٰن بن غنم سے انہوں نے حضرت معاذؓ سے نقل کیا۔ خطیب نے "مجہول" کا صیغہ یعنی قِیْلَ استعمال کر کے خود ہی سند کے پرخچے اڑا دیئے۔

علامہ ابن قیم جنہوں نے خطیب کے حوالہ سے اس سند کو نقل کیا ہے تہذیب السنن میں لکھتے ہیں: اس کو ابن ماجہ نے یحیٰی بن سعید سے اس نے محمد بن سعید سے اس نے عبادہ بن نسی سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند پہلی سند سے بہتر ہے۔ "ولا ذکر للرأی فیه" اس میں رائے کا ذکر نہیں۔

جب اس میں رائے کا ذکر ہی نہیں تو اس کا پیش کرنا ہی بے سود ہے بلکہ اس میں تو رائے و قیاس کی تردید ہے حدیث کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں "تم ہرگز فیصلہ نہ کرنا مگر اس چیز کے ذریعہ جو تمہیں معلوم ہو" وان اشکل علیك امر فقف حتی تبینه او تکتب الیّ" اگر کوئی امر تمہارے لئے مشکل ہو جائے تو توقف کرنا جب تک وہ تم پر واضح نہ ہو جائے یا تم مجھے لکھنا۔

تقی صاحب جس سند کی طرف آپ نے اشارہ کیا اس کا متن تو آپ کے بالکل خلاف ہے۔

تقی صاحب یہ سند بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ اس کی سند میں "محمد بن سعید" ہے جو حدیثیں بنایا کرتا تھا (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۵ و صفحہ ۲۷۶ ملخصاً)

تقی صاحب مان لیا کہ اصحاب معاذ ثقہ ہیں لیکن ان سے روایت کرنے والا راوی الحارث بن عمرو تو مجہول ہے لہذا یہ روایت کسی طرح بھی صحیح نہیں۔
دوم یہ کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حاکم تھے۔ حاکم کو فیصلہ کرنا پڑتا ہے، حاکم کا فیصلہ فیصلہ ہوتا ہے قانون نہیں ہوتا۔ عالم قانون سازی کرتا ہے لہذا دونوں میں فرق ہے الغرض یہ حدیث کسی حال میں بھی تقی صاحب کو مفید نہیں۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں:۔
اول تو موصوف تقلید کی تردید فرماتے ہوئے خود تقلید کے مرتکب ہوئے ہیں کہ حدیث کو رد کرنے کے لئے صرف امام جوزقانی کے قول کو کافی سمجھا ہے (فٹ نوٹ صفحہ ۵)

ازالہ تقی صاحب کو پھر یہاں غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔
پہلی غلط فہمی ہم نے صرف امام جوزقانی کا قول پیش کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں، ہم نے امام ترمذی کا قول بھی پیش کیا ہے۔
دوسری غلط فہمی ہم نے امام جوزقانی کا قول مان کر خود تقلید کی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں، ہم نے امام ترمذی کا قول بھی پیش کیا ہے لہذا یہ قطعاً تقلید شخصی نہیں ہے۔
تیسری غلط فہمی تقی صاحب نے ہم پر الزام لگایا ہے کہ ہم نے امام جوزقانی

کی تقلید کی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ ہم نے کسی دینی مسئلہ میں ان کی رائے کو نہیں مانا ہے بلکہ رجال کے متعلق ان کی شہادت کو قبول کیا ہے۔ تقلید میں اور قبول شہادت میں بڑا فرق ہے۔ تقی صاحب نے دونوں کو خلط ملط کر دیا ہے مزید برآں یہ شہادت بھی ان اکیلے کی نہیں ہے بلکہ ان کے زمانہ کے تمام محدثین جن سے وہ ملے ان سب کی بھی یہی شہادت ہے، بتائیے اتنے محدثین کی شہادت کو ہم تسلیم نہ کریں۔

تقی صاحب آپ صرف ہماری جرح کا جواب دے کر سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ ہم نے اس حدیث کے دوسرے جوابات بھی دئے ہیں، براہ کرم ان کی طرف بھی توجہ فرمائیں۔

غلط فہمی تقی صاحب عمرو بن میمون رض کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

"میں حضرت ابن مسعود رض کے پاس آیا اور انہی کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔" (ص ۵۶)

ازالہ (۱) حضرت عمرو بن میمون رض پہلے تو حضرت معاذ رض کے ساتھ رہے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت ابن مسعود رض کی شاگردی میں رہے۔ معلوم نہیں اس میں تقلید کی کون سی دلیل ہے۔ شاگردی تقلید کی دلیل نہیں۔ شاگردی میں استاد سے اس کی رائے نہیں سیکھی جاتی بلکہ مسلمہ اصول علمیہ سیکھے جاتے ہیں۔ وہ چیز سیکھی جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر نقل ہوتی آئی ہے۔ کیا کبھی کسی شاگرد نے کسی استاد کی اس لئے شاگردی کی ہے کہ اسکی رائے حاصل کر لے۔

(۲) اس واقعہ میں اگر تقلید کی دلیل ہے بھی تو آپ کو اس سے کیا فائدہ؟ بقول آپ کے عمرو بن میمون رض نے حضرت معاذ رض کی تقلید ان کی وفات کے بعد

چھوڑ دی اور زندہ کی تقلید شروع کر دی۔ کیا آپ بھی ایسا ہی کرتے ہیں؟ کیا آپ نے بھی امام ابو حنیفہ کی تقلید چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

(۳) اس واقعہ میں دو آدمیوں کی تقلید کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ تقلید شخصی کی تردید کرتا ہے اور آپ اس سے تقلید شخصی کی دلیل لے رہے ہیں۔

غلط فہمی اور ازالہ اس کے بعد تقی صاحب نے تقلید کی چند اور نظیریں دی ہیں لیکن وہ ہمارے نزدیک حجت نہیں ہیں۔ دوم ان کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر گذر رہا ہے۔

غلط فہمی اور ازالہ اس کے بعد تقی صاحب نے تقلید شخصی کی ضرورت پر صـ۶۲ تا صـ۷۸ پر جو کچھ تحریر فرمایا اس کا جواب "التحقیق" میں دیا جا چکا ہے۔ تقی صاحب اگر اس کے جواب کی طرف توجہ فرمائیں تو مناسب ہوگا۔

غلط فہمی اور ازالہ تقی صاحب نے مذاہب اربعہ کی تخصیص کے سلسلہ میں صـ۷۸ تا صـ۸۵ پر جو کچھ لکھا ہے اس میں دلیل ایک بھی نہیں۔ رہے اقوال الرجال تو ان سے ہمیں بحث نہیں۔ تقی صاحب اقوال الرجال کے بجائے آپ قرآن مجید یا حدیث پیش کریں تو مناسب ہوگا تاکہ ہم بھی اس کی طرف متوجہ ہوں۔

غلط فہمی اور ازالہ تقی صاحب نے تقلید کے مختلف درجات بیان کئے ہیں (صـ۸۵) اور تقلید مطلق (جس کو ہم تقلید کہتے ہی نہیں) اور تقلید شخصی کو خلط ملط کر دیا ہے۔ تقلید مطلق سے ہماری کوئی بحث نہیں۔

غلط فہمی اور ازالہ اس کے بعد صـ۸۸ پر تقی صاحب نے ایک حنفی گریجویٹ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ بے شک وہ غلط فہمی میں تھے کیونکہ وہ محقق نہیں

تھے۔ غلط فہمی کے باوجود وہ معذور تھے لیکن آپ حدیث مل جانے کے بعد بھی اپنی غلط فہمی دور نہیں کرتے آپ ماخوذ ہوں گے۔ آپ نے ان کی غلط فہمی حدیث ہی کے ذریعہ دور کر دی، حدیث کا مطلب سمجھا دیا۔ اپنی رائے نہیں ٹھونسی۔ یہ کام تو اچھا ہے لیکن اسے ہم تقلید کب کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں رائے نہ مانو۔ آپ اس کا جواب تو دیتے نہیں، استاد اگر حدیث پڑھائے سمجھائے تو اس کو آپ زبردستی تقلید بنا دیتے ہیں۔ اگر استاد الف کو الف بتلائے اور متعلم اسے الف مان لے تو یہ تقلید نہیں ہے بلکہ یہ تعلیم و تعلم ہے۔ استاد اپنی رائے نہیں دے رہا بلکہ ایک مسلمہ اصول شاگرد کو پہنچا رہا ہے، اسی طرح اگر حدیث پڑھائے اور شاگرد اسے مان لے تو یہ تقلید نہیں ہے بلکہ یہ بھی تعلیم و تعلم ہے۔ استاد نے مسلمہ چیز بتائی، شاگرد نے مان لی۔ یہ تقلید کب ہوئی تقلید تو رائے میں ہوتی ہے۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں:

> علماء نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے علم دین باقاعدہ حاصل نہ کیا ہو اُسے قرآن و حدیث کا مطالعہ ماہر استاد کی مدد کے بغیر نہیں کرنا چاہیئے (ص ۹۱)

ازالہ ہر طالب علم کو ماہر استاد سے ہی پڑھنا چاہیئے لیکن استادی شاگردی تقلید کی دلیل نہیں جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں:

> کسی امام و مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے جہاں قرآن و سنّت کے دلائل میں تعارض محسوس ہوتا ہے (ص ۹۱)

ازالہ تقلید کی ضرورت ہی کیا ہے کسی بھی عالم سے پوچھ کر تعارض کو حل

کرے۔ امام ابو حنیفہ یا امام شافعی ہی کی رائے کیوں مانے۔

مزید برآں تعارض کا حل بھی تو قرآن و حدیث ہی کی روشنی میں ہوگا، اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں نہیں ہوگا بلکہ محض رائے سے ہوگا تو یہ ہمیں تسلیم نہیں۔ کسی کی رائے سے دینی احکام کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

ہم کیسے مان لیں کہ جو حل امام ابو حنیفہ نے بتایا ہے وہی صحیح ہے اور امام شافعی کا حل غلط ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امام شافعی کا حل ہی صحیح ہو۔ مسلم کو کسی ایک امام کے حل کا پابند بنانا اس کو توحید سے دور کرنا ہے اور شرک فی الدین کے دائرہ میں داخل کرنا ہے۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں :۔

تقلید کا مقصد ہی یہی ہے کہ جو شخص ان دلائل میں راجح و مرجوح کا فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہے وہ ان میں کسی ایک کا دامن پکڑ لے (ص ۹۱)

ازالہ ایک کا دامن کیوں پکڑ لے؟ جس طرح ایک جاہل حنفی کسی سے مسئلہ کو دریافت کرنا ہے تو ایک حنفی عالم کو نہیں پکڑتا بلکہ جس سے چاہتا ہے مسئلہ پوچھ لیتا ہے یہی طریقہ کیوں نہ عام کر دیا جائے کہ لاعلم آدمی کسی بھی عالم سے مسئلہ پوچھ لے۔ آپ بلاوجہ اس کو ایک عالم کا پابند بنا کر تقلید کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور فرقہ بندی کو ہوا دیتے ہیں۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں :

جس درجہ کے مقلد کی بات ہو رہی ہے اس کے اندر چونکہ دلائل کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں اس لئے وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کس کی دلیل قوی ہے؟ چنانچہ اس کا کام صرف تقلید ہے (ص ۹۲)

ازالہ تقی صاحب آپ میں بھی یہ اہلیت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو آخر آپ کیوں اپنے کو عالم کہلواتے ہیں؟ کیوں قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں۔ سب کام چھوڑ دیجیئے ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ غلط تشریح کر دیں۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں:

اگر اسے کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے تب بھی اسے اپنے امام کا مسلک چھوڑنا نہیں چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ حدیث کا صحیح مفہوم یا اس کا صحیح محل میں سمجھ نہیں سکا (ص ۹۲)

ازالہ امام کا مسلک کیوں نہیں چھوڑنا چاہیئے کیا وہ وحی الٰہی ہے کہ اس کو اختیار کیئے بغیر چارہ نہیں۔

کیا یہ حدیث (یعنی وحی الٰہی) کو چھوڑنے کا خوشنما بہانہ نہیں ہے۔ تقی صاحب یہ وسوسہ شیطانی ہے اس سے توبہ کیجئے۔ ہر حال میں حدیث پر عمل ہوگا۔ حدیث دین ہے۔ قول امام دین نہیں ہے۔ حدیث کے مقابلے میں اسے ماننا بے دینی بلکہ شرک فی الدین ہے۔ ایسی صورت میں زیادہ سے زیادہ اس شخص سے غلطی ہوگی شرک تو نہیں ہوگا اور اس غلطی میں وہ معذور ہوگا۔ اُسے تحقیق کرتے رہنا چاہیئے اور غلطی معلوم ہوتے ہی غلطی سے رجوع کر لینا چاہیئے۔

تقی صاحب اس کے بجائے اگر آپ یہ فرماتے کہ حدیث پر عمل کرنا چاہیئے اور امام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ ان کو یہ حدیث نہیں ملی ہوگی لہٰذا وہ معذور ہیں۔ میں حدیث کو چھوڑنے میں معذور نہیں ہوں تو بتائیے یہ کہنا مؤمنانہ طرز عمل ہوگا یا وہ طرز عمل مؤمنانہ ہوگا جو آپ نے تجویز کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ مقلد یہ خیال کرے کہ امام نے صحیح مطلب سمجھا ہوگا اور میں غلط سمجھا ہوں تو جب تک وہ مقلد ہے وہ واقعی یہی سوچنے پر مجبور ہوگا لیکن

جوں ہی وہ تقلید کا قلادہ گردن سے نکال کر پھینک دے تو وہ پھر یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ فلاں امام صاحب نے اس حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھا۔ اس حدیث کا صحیح مطلب وہی ہے جو فلاں فلاں آئمہ دین نے سمجھا ہے۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں :۔

اس کی مثال بالکل یوں سمجھئے کہ دنیا میں آج جب بھی کسی شخص کو قانون کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنی ہوتی ہے تو وہ کسی ماہر قانون کی طرف رجوع کرتا ہے (ص ۹۲)

ازالہ تقی صاحب کی عبارت میں "کسی ماہر قانون" کے الفاظ خود تقی صاحب کی تردید کرتے ہیں۔ اگر تقی صاحب یہ لکھتے کہ "خاص ماہر قانون" تو شاید تقلید کا ثبوت مل جاتا۔

تقی صاحب آپ نے جو مثال دی ہے کہ کسی ماہر قانون کی طرف رجوع کرے تو اب آپ سے یہ سوال ہے کہ آج اللہ نخواستہ آپ کو ماہر قانون کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو آپ کسی زندہ ماہر قانون کے پاس جائیں گے یا کسی فوت شدہ ماہر قانون کی کتابیں دیکھیں گے۔ اگر آپ زندہ کے پاس جائیں گے اور فوت شدہ ماہر قانون کی کتابیں نہیں دیکھیں گے تو پھر آپ اسے زندہ ماہر قانون کی تقلید تو کہہ سکتے ہیں لیکن فوت شدہ ماہر قانون کی تقلید نہیں کہہ سکتے۔ لیکن آپ دینی معاملات میں فوت شدہ امام کی تقلید کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی اس مثال سے فوت شدہ امام کی تقلید تو باطل ہو گئی۔ تقی صاحب دلیل بھی وہ دیتے ہیں جو خود آپ کے خلاف پڑتی ہے۔ اگر آپ تقلید چھوڑ دیں تو پھر انشاء اللہ فقہی بصیرت آپ میں پیدا ہو جائے گی اور پھر آپ ایسی باتیں نہیں کریں گے۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں :۔

اگر کوئی عام آدمی کوئی حدیث دیکھ کر اس کا مطلب غلط سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ معذور نہیں ہے (ص ۹۳)

ازالہ عام آدمی کو آپ صرف اس لئے معذور نہیں سمجھتے کہ آپ اس پر تقلید کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس کو معذور قرار دیں تو تقلید ختم ہو جاتی ہے۔ کیا وہ صحابہ کرام معذور تھے یا نہیں جنہوں نے طلوع صبح صادق کا فیصلہ سیاہ اور سفید ڈوروں سے کیا تھا اور صبح صادق ہونے کے بعد بھی کھاتے رہے تھے (صحیح بخاری) اگر وہ آیت کا غلط مطلب سمجھ کر عمل کرنے میں معذور تھے تو دوسرے لوگ معذور کیوں نہیں؟

جنگ بنو قریظہ کے موقع پر بعض صحابہ نے عصر کی نماز راستے میں پڑھ لی اور بعض نے بنو قریظہ پہنچکر پڑھی (صحیح بخاری) ظاہر ہے ایک جماعت نے ضرور حدیث کو صحیح طور پر نہیں سمجھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنہ گار قرار نہیں دیا۔

صحیح یہی ہے کہ اگر کوئی شخص آیت یا حدیث کا مطلب غلط سمجھ جائے اور اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے تو وہ معذور ہے۔ البتہ جب اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کو غلط فہمی ہو گئی تھی تو اس کو اپنی غلطی سے فوراً رجوع کرنا چاہیئے۔

غلط فہمی اس کے بعد تقی صاحب نے حضرت عمرؓ کے ایک مکتوب کا ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے قاضی شریح کو چند ہدایتیں لکھی تھیں۔ تقی صاحب ان ہدایتوں کو تقلید کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ (ص ۱۱۰)

ازالہ قاضی کے فیصلہ کو قانون سازی سے کوئی تعلق نہیں۔ قاضی تو بہر حال فیصلہ کریگا، صحیح ہو یا غلط۔ وہ فیصلہ اس کا اسی مقدمہ میں ہوگا اور عارضی

ہوگا۔ اس کو دائمی قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔ برخلاف اس کے تقی صاحب کے فقہاء قانون سازی کرتے رہے۔ قانون سازی کو قاضی کے فیصلہ سے کیا تعلق۔ قاضی کے فیصلہ کو کوئی قانون نہیں سمجھتا۔

غلط فہمی | تقی صاحب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"جب کسی معاملے میں سوال کیا جاتا اور قرآن کریم میں اس کا جواب ہوتا تو اس کے مطابق جواب دے دیتے اور اگر قرآن میں نہ ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ہوتی تو اس کے مطابق جواب دے دیتے اور اگر سنّت میں بھی نہ ہوتا اور حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ سے کوئی بات ثابت ہوتی تو اس کے مطابق جواب دیتے، اور اگر وہاں بھی نہ ہوتا تو اپنے اجتہاد اور رائے سے کام لیتے۔" (ص۱۱۲)

ازالہ | تقی صاحب نے اس کو تقلید کے ثبوت میں پیش کیا ہے، حالانکہ اس کا تقلید سے کیا تعلق۔

اوّل : یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم (علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین) کے مطابق تھا۔

دوم :۔ اگر اس عمل سے تقلید ثابت ہوتی ہے تو دو آدمیوں کی تقلید ثابت ہوگی اور یہ چیز تقلید شخصی کے خلاف ہے۔ کیا آپ بھی دو اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر کرتے ہیں تو اسے بطور دلیل پیش کیجئے ورنہ اسے واپس لے لیجئے۔ یہ تو تقلید شخصی کی تردید ہے نہ کہ تائید۔

غلط فہمی | اس کے بعد تقی صاحب نے ص۱۱۲ و ص۱۱۳ پر چند اقوال الرجال پیش کرکے تقلید شخصی کو ثابت کرنا چاہا ہے۔

ازالہ ① کیونکہ اقوال الرجال دلائل نہیں لہذا ہم ان کا جواب دینے کے مکلف نہیں ہیں۔

② اقتداء اور تقلید شخصی اصطلاحی طور پر ہم معنی نہیں ہیں لہذا لفظ اقتداء سے تقلید شخصی ثابت نہیں ہوتی۔

③ حلال وحرام میں اقتداء کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف حلال کام کرتے تھے اور حرام سے بچتے تھے ہم بھی ان کی اقتداء کریں۔ حلال کام کریں اور حرام سے بچیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس چیز کو کسی گزشتہ عالم نے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس چیز کو کسی فوت شدہ عالم نے حرام کر دیا وہ حرام ہے، اس قسم کا عقیدہ شرک ہے اور یہ عقیدہ تقی صاحب کے ذکر کردہ اقوال الرجال سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔

④ اگر کسی تابعی نے کسی صحابی کے قول کو اپنے قول پر ترجیح دی تو اس لئے نہیں کہ صحابی کا قول حجت شرعیہ ہے بلکہ اس لئے کہ جس ہستی کا قول وفعل حجت شرعیہ ہے یہ ان کی صحبت اٹھانے والے ہیں ممکن ہے انہوں نے اس ہستی سے کچھ سنا ہو اور اس کے مطابق عمل کیا ہو۔

⑤ تقی صاحب ان مثالوں سے آپ کو کیا فائدہ۔ آپ تو اپنے امام کے قول کو صحابی کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثالیں دینے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو ایسی مثالوں سے بخوبی واقف ہوں گے۔

غلط فہمی | تقی صاحب نے ان اعتراضات کو دور کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو تقلید پر کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ کفار کی تقلید کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کی تقلید دین کے بنیادی عقائد میں تھی اور دین کے بنیادی

عقائد میں تقلید ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں۔" (ص ۱۱۶)

ازالہ (۱) بنیادی اور غیر بنیادی کی تقسیم کے لئے تقی صاحب نے کوئی دلیل نہیں دی لہذا ہم جواب کس چیز کا دیں۔ ہم ان کے یا دوسرے لوگوں کی رائے کے جواب دینے کے مکلف نہیں۔

(۲) تحلیل وتحرم کا حق صرف اللہ تعالےٰ کو حاصل ہے۔ کیا یہ بنیادی عقیدہ ہے یا نہیں۔ لیکن آپ لوگوں نے یہ حق علماء کو دے دیا ہے۔ بتائیے کیا یہ وہی تقلید نہیں ہوئی جس کی مذمت آیت زیر بحث میں کی گئی ہے۔ تقی صاحب فرمائیں گے کہ ہم نے تو یہ حق کسی شخص کو نہیں دیا۔ جواباً عرض ہے کہ کیا قیاس آپ کے ہاں حجت شرعی نہیں ہے۔ یقیناً ہے اور یہ آئمہ کے ادلۂ اربعہ میں سے ایک ہے تو پھر قیاس سے اگر کوئی چیز حلال یا حرام کر دی گئی تو کیا یہ شریعت سازی نہیں ہوئی۔ یہ قیاس جس کا ذکر چل رہا ہے اس سے مراد یقیناً نہ اللہ تعالےٰ کا قیاس ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس ہے (بلکہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ قیاس کا استعمال ہی صحیح نہیں) تو پھر بتائیے یہ قیاس کسی عالم ہی کا ہوگا۔ محض اس کے قیاس سے کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا عقیدہ شرک ہوا یا نہیں۔ براہ کرم قیاس کو ادلۂ اربعہ سے خارج کر دیں تو پھر شاید آپ حق کے قریب آجائیں۔

غلط فہمی تقی صاحب فرماتے ہیں :-

"کسی مجتہد کی تقلید یا اطاعت شارع یا قانون ساز کی حیثیت سے نہیں کی جاتی بلکہ اسے شارح قانون قرار دے کر کی جاتی ہے۔"

(ص ۱۱۷)

ازالہ اس کا ازالہ کیا جا چکا ہے۔ تفصیل کے لئے "التحقیق" ملاحظہ ہو جہاں

ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ شارح قانون کی حیثیت سے بھی کسی انسان کی تقلید کرنا شرک ہے۔ بلکہ شارحِ قانون بھی خود اللہ تعالٰے ہے۔

غلط فہمی تقی صاحب نے تقلید کے ثبوت میں علامہ ابن تیمیہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (ص۱۱۸ تا ص۱۲۰)

ازالہ (۱) علامہ ابن تیمیہ کے اقوال حجت نہیں ہیں لہذا ہمیں جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) علامہ ابن تیمیہ کے اقوال سے بھی تقلید شخصی ثابت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ وہ چیز ثابت ہوگی جسے تقی صاحب تقلید مطلق کہتے ہیں. تقلید مطلق کی اصطلاح سے نہ ہمارا کوئی تعلق ہے اور نہ تقلید مطلق پر ہم بحث کر رہے ہیں۔

غلط فہمی تقی صاحب لکھتے ہیں:

"مجتہدین امت کسی کے نزدیک معصوم اور خطاؤں سے پاک نہیں ہیں بلکہ ان کے ہر اجتہاد میں غلطی کا امکان موجود ہے"۔ (ص۱۲۱)

ازالہ تقی صاحب نے کتنی اچھی بات کہی ہے۔ بس یہی بات تقلید کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب مجتہد خطاء سے پاک نہیں اور اس کے ہر اجتہاد میں غلطی کا امکان ہے تو پھر ایسی مشکوک چیز پر ہم کیوں عمل کریں۔ کیوں نہ اس ہستی کی بات مان لیں جو معصوم ہے اور جس کے اجتہاد میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔ تقی صاحب بار بار تقلید مطلق کا ذکر کرتے ہیں لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ تقلید شخصی اصطلاحی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ تقی صاحب تقلید شخصی اصطلاحی کا ثبوت نہیں دے رہے ہیں وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ جاہل عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے

لہٰذا وہ اس کا مقلد ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ جاہل اس عالم کا مقلد نہیں ہوا۔ جاہل، عالم سے اس کی رائے نہیں پوچھتا بلکہ قرآن مجید اور حدیث پوچھتا ہے، کیا قرآن مجید اور حدیث پوچھنا بھی تقلید ہے۔ ہرگز نہیں۔ قرآن مجید اور حدیث تو خود دلیل ہیں اور تقلید بے دلیل ہوتی ہے لہٰذا تقی صاحب اجتماع ضدین کو ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ ناممکن ہے۔

غلط فہمی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے کے لئے ان کے پاس ذاتی تحقیق کا کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں ہے کہ آئمہ جرح و تعدیل کے اقوال کو تقلیداً اور صرف تقلیداً اختیار کریں .... حقیقت یہ ہے کہ ماہرین فن کی تقلید سے زندگی کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے۔ (ص ۱۲۲-۱۲۳)

ازالہ جب کوئی محدث کسی حدیث کو ضعیف قرار دیتا ہے تو یہ کسی مسئلہ میں رائے زنی نہیں ہوتی۔ وہ کوئی قانون شریعت نہیں بناتا کہ ہم اس کے خود ساختہ قانون کو مان کر مقلد ہو جائیں یا مشرک ہو جائیں بلکہ وہ صرف گواہی دیتا ہے کہ فلاں راوی ضعیف ہے، وہ ایسا تھا ایسا تھا۔ لہٰذا ہم اس کو صادق القول سمجھ کر اس کی گواہی قبول کرتے ہیں، جس طرح ایک جج کسی گواہ کی گواہی تسلیم کر لے تو کیا ہم جج کو اس گواہ کا مقلد کہیں گے، ہرگز نہیں۔ تقی صاحب کی غلط فہمی کی بناء پر تو تمام جج و قاضی، گواہوں کے مقلد ہوئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے مزید برآں ایک جج متعدد گواہوں کی گواہی قبول کرتا ہے تو وہ کیا ان متعدد گواہوں کا مقلد ہو گا۔ ہرگز نہیں۔ مقلد تو ایک ہی عالم کی تقلید کرتا ہے، متعدد علماء کی نہیں کرتا، لہٰذا گواہی کو تسلیم کرنا تو خود تقلید شخصی کی تردید کرنا ہے۔

بالکل اسی طرح ایک ماہر فن بھی جو کچھ اس نے پڑھا ہے اس کے مطابق

گواہی دیتا ہے۔ جو کچھ اس نے مشاہدہ و تجربہ کیا ہے اس کی شہادت دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی ہم اس کی گواہی قبول کرتے ہیں، اس کی رائے نہیں مانتے، اگر ہم کسی ماہر فن ڈاکٹر یا حکیم کے مقلد ہوتے تو شاید پوری زندگی ہر بیماری میں کسی ایک خاص حکیم یا ڈاکٹر سے علاج کراتے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی بیماری میں کئی حکیم اور ڈاکٹر تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ تمام مثالیں تو تقلید کی تردید کرتی ہیں۔ تقی صاحب غلطی سے ایسی باتیں نقل کر جاتے ہیں جو خود ان کے خلاف پڑتی ہیں۔

غلط فہمی | مجتہد کے قول کا حجّتِ شرعیّہ نہ ہونا خود تقلید کی تعریف میں داخل ہے۔ (ص ۱۲۵)

ازالہ | تقی صاحب کی یہ بات صحیح نہیں۔ ادلّۂ اربعہ میں قیاس کو حجّت مانا گیا ہے لہٰذا مجتہد کا قیاس حجّتِ شرعیّہ نہیں ہوا تو پھر کیا ہوا۔ مقلّد کے نزدیک مجتہد کا قول حجّت شرعیّہ ہوتا ہے "التحقیق" ص ۹۸ تا ص ۱۰۴ ملاحظہ فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے (صحیح بخاری) لیکن تقی صاحب کے مذہب حنفی میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنّت نہیں۔ بتائیے مجتہد کے قول کو حجّت شرعیّہ مانا گیا یا نہیں۔ بلکہ یوں کہئے کہ حنفی مجتہد کے قول نے حجّت شرعیّہ کو رد کر دیا یہ کفر ہے یا ایمان؟ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے مجتہد کو شارع کا درجہ دے رکھا ہے۔

غلط فہمی | تقی صاحب لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کسی کی اتباع کرنی ہو وہ ان حضرات کی اتباع کرے جو وفات پا چکے۔ (ص ۱۲۷)

ازالہ | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پہلے جو لوگ وفات پا چکے تھے وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ ان ہی کی اتباع کا حکم دے رہے ہیں اور یقیناً ان لوگوں نے سوائے قرآن مجید اور حدیث کے کسی تیسری چیز کو حجّت نہیں سمجھا لہٰذا ہمیں بھی ان کی پیروی میں کسی تیسری چیز کو حجّت نہیں سمجھنا چاہیئے۔
تقی صاحب کیا آپ بھی حضرت ابن مسعودؓ کے قول کے مطابق صرف دو چیزوں کو ہی حجّت سمجھتے ہیں یا ان کے مخالف چل کر قیاس کو بھی حجّت سمجھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ان کی اتباع کا حکم دیا، تقلید کا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا تقلید ثابت نہیں ہوئی بلکہ ردّ ہو گئی۔ تیسرے یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ نے سینکڑوں اشخاص کی اتباع کا حکم دیا، یہ تو تقلید شخصی کی تردید ہے، تقلید شخصی تو ایک آدمی کی ہوتی ہے۔
تقی صاحب آپ اس قول کو تقلید شخصی کے ثبوت میں پیش کر کے خود بھی دھوکے میں آ گئے اور نادانستہ دوسروں کو بھی دھوکا دے دیا۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ خود آپ کی قلم سے تقلید کے پرخچے اڑ گئے، چوتھے یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کسی کی پیروی کرنی ہو وہ ان لوگوں کی کرے جو وفات پا چکے ہیں اور تقی صاحب آپ نے اس قول پر خود ہی عمل نہیں کیا اور الزام ہم پر لگا رہے ہیں۔ آپ ان لوگوں کی تقلید نہیں کرتے جن کی تقلید کرنے کا حکم حضرت ابن مسعودؓ نے دیا تھا بلکہ آپ ان لوگوں کی تقلید کر رہے ہیں جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ کیا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی فرماں برداری اسی کا نام ہے؟

غلط فہمی | آئمہ مجتہدین کے اقوال کا مطلب اگر یہ ہوتا کہ تقلید کسی کے لیئے جائز نہیں ہے تو ان کی زندگی ایسے واقعات سے بھرپور ہے کہ لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے اور وہ دلیل بیان کئے

بغیر جواب دے دیتے تھے۔ (صـ۱۲۸)

ازالہ جاہل کا علماء سے سوال کرنا زیر بحث نہیں ہے۔ یہ تو ہوتا آیا ہے لیکن کسی ایک عالم کو قیامت تک کے لئے مقتدا بنا لینا، اس کی رائے سے نہ ہٹنا یہ اور چیز ہے، اسے تقلید شخصی کہتے ہیں اور یہ چیز ان مجتہدین کے اقوال و افعال سے ثابت نہیں ہوتی۔

اس کے بعد تقی صاحب نے صـ۱۲۹ تا صـ۱۳۲ پر مختلف علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ کیونکہ وہ دلائل نہیں ہیں لہٰذا ہم ان پر بحث کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ ان اقوال کا محل بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا تقلید شخصی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

غلط فہمی تقی صاحب لکھتے ہیں:۔

امام احمدؒ عام لوگوں کو امام اسحٰقؒ، امام ابو عبیدؒ، امام ابو ثورؒ اور امام ابو مصعبؒ سے مسائل دریافت کرنے کا حکم دیتے تھے۔ (صـ۱۳۰)

ازالہ (۱) امام احمدؒ نے چار آئمہ کا نام لے کر مسائل دریافت کرنے کا حکم دیا۔ تقلید چار کی نہیں ہوتی بلکہ ایک کی ہوتی ہے لہٰذا امام احمدؒ کا یہ قول تقلید شخصی کے خلاف ہے۔

(۲) یہاں بھی بات وہی ہے کہ جاہل علماء سے مسائل پوچھے اور یہ تقلید شخصی کی تعریف میں نہیں آتا۔ کیا آپ کسی حنفی کو اجازت دیں گے کہ وہ کسی شافعی عالم سے مسائل دریافت کرے۔ بغیر تقلید کے کسی بھی عالم سے مسئلہ پوچھنا اور بات ہے اور تقلید کے ساتھ کسی حنفی عالم سے حنفی مذہب کا مسئلہ معلوم کرنا اور چیز ہے۔ مؤخر الذکر تقلید ہے جبکہ مقدم الذکر تقلید نہیں

ہے۔ تقی صاحب تقلید شخصی کو دوسری چیزوں کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں۔ عوام الناس بے چارے کیا سمجھیں گے۔

غلط فہمی تقی صاحب نے لکھا تھا :۔

ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کے بجائے مختلف التعبیر و پیچیدہ معاملات میں اس مطلب کو درست قرار دیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں عالم کی تقلید کی (فاران بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳)

ازالہ اس عبارت کا جواب دیتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ مقلد میں اتنا علم کہاں سے آئے گا کہ وہ سلف میں سے کسی عالم کے مطلب کو درست قرار دے۔ اس کا فیصلہ تو عالم ہی کر سکتا ہے نہ کہ جاہل ..... (التحقیق صفحہ ۲۰ تا ۲۲)

غلط فہمی تقی صاحب نے اس کا جواب تو نہ دیا بلکہ انہوں نے اپنی نئی تصنیف میں عبارت ہی بدل دی۔ تقی صاحب فرماتے ہیں :۔

"ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنی فہم پر اعتماد کرنے کے بجائے قرآن و سنت کے مختلف التعبیر پیچیدہ احکام میں اس مطلب کو اختیار کر لیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں عالم کی تقلید کی ہے۔ (صفحہ ۱)

ازالہ تقی صاحب کی دونوں عبارتوں کا مقابلہ کیجئے خصوصاً خط کشیدہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ تقی صاحب نے کافی حد تک اپنی عبارت کی اصلاح کر لی تاہم ابھی چند باتیں محل نظر ہیں۔

(۱) مقلد کو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ جس مسئلہ کو وہ معلوم کرنا چاہتا ہے وہ

قرآن مجید اور سنّت میں واضح نہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید اور سنت مختلف التعبیر اور پیچیدہ ہیں۔ اگر مقلّد قرآن مجید و سنت کی پیچیدگی معلوم کرسکتا ہے تو پھر وہ عالم ہوا نہ کہ جاہل۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں قرآن مجید اور سنّت مختلف التعبیر اور پیچیدہ نہ ہوں وہاں آپ تقلید نہیں کریں گے لیکن آپ ایسا بھی نہیں کرتے مثلاً قرآن مجید اور سنّت میں گردن کے مسح کے متعلق کون سی پیچیدگی تھی جو آپ نے گردن کے مسح کو پشت کف سے کرنے کی بدعت ایجاد کی۔ نیت کے معاملہ میں کون سی پیچیدگی تھی جو آپ نے زبان سے نیت کرنا اختراع کیا۔

تیسری و چوتھی رکعت میں قراۃ کرنے کے سلسلہ میں قرآن مجید اور سنّت میں کونسی پیچیدگی تھی جو آپ نے یہ مسئلہ وضع کیا کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں قرآن مجید پڑھنا ضروری نہیں حتیٰ کہ امام اور منفرد کو بھی قرآن مجید پڑھنا ضروری نہیں۔ اگر نہ پڑھے صرف خاموش کھڑا رہے تو نماز بالکل صحیح ہے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہاں تک لکھی جائیں (فقہ کی کتابیں مثلاً ہدایہ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں)۔

تقی صاحب نے قرآن مجید اور حدیث سے استنباط کرنے کی دو صورتیں بتائی ہیں، ایک تو از خود کوئی فیصلہ کرے۔ دوسری صورت کسی دوسرے کا فیصلہ مان لے۔ اس دوسری صورت کے متعلق تقی صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

غلط فہمی | دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے یہ دیکھیں کہ قرآن و سنّت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف نے کیا سمجھا ہے؟ چنانچہ قرون اولیٰ کے جن

بزرگوں کو ہم علوم قرآن و سنّت کا زیادہ ماہر پائیں ان کی فہم و بصیرت پر اعتماد کریں اور انہوں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کے مطابق عمل کریں (ص۱)

ازالہ بزرگوں نے جو کچھ سمجھا اس کے مطابق عمل کریں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ متعدد بزرگوں کا فیصلہ معلوم کریں نہ کہ ایک کا۔ لہٰذا تقی صاحب کی یہ عبارت خود تقلید شخصی کی تردید کرتی ہے، فللہ الحمد۔

سلف صالحین کا فیصلہ معلوم کر کے عمل کرنے سے بیشک ہم کافی حد تک خطرات سے بچ سکتے ہیں لیکن فیصلہ کا منصب کسی ایک کے سپرد کر دینا زبردست خطرہ کا موجب ہے۔ یہ منصب سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو زیب نہیں دیتا۔

تقی صاحب اچھا ایک بات بتائیے کہ سلف صالحین (بشمول امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمد) کے فیصلہ کی رو سے عصر کا وقت ایک مثل سایہ ہو جانے پر شروع ہوتا ہے لیکن حنفی مذہب میں دو مثل سایہ ہونے پر شروع ہوتا ہے۔ بتائیے آپ نے سلف صالحین کے فیصلہ کو مانا۔ سلف صالحین کا فیصلہ صحیح احادیث کے عین مطابق ہے لیکن آپ نے محض تقلید کی وجہ سے حدیث کو بھی چھوڑا اور سلف صالحین اور آئمۂ ثلاثہ کے فیصلہ کو بھی۔ بتائیے اس خرابی کا باعث سوائے تقلید کے اور کچھ ہے۔ اللہ کی شریعت کے مقابلہ میں کسی شخص کی غلطی کو شریعت مان لیں تو پھر یہ شرک فی التشریع ہو گا یا نہیں۔ مزید مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن کتاب کو طول دینا مقصود نہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے ہی کافی ہے۔

تقی صاحب نے لکھا تھا کہ "جن بزرگوں کو ہم قرآن و سنّت کا زیادہ ماہر پائیں ان کی فہم و بصیرت پر اعتماد کریں"، اس پر ایک صاحب اعتراض

کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اگر مستفید جاہل ہے تو وہ امام یا مسئول کی مہارت کیسے معلوم کریگا؟ اگر مہارت علمی کا جائزہ لے سکتا ہے تو وہ اس کی فقہ پر کیوں اعتماد کرے" صٓ ۱۴۳۔ امام غزالی کے حوالہ سے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تقی صاحب لکھتے ہیں۔

غلط فہمی | جس شخص کا بچہ بیمار ہو اور وہ خود طبیب نہ ہو تو اگر وہ بچے کو کوئی دوا اپنی رائے سے پلا دے تو اس کو بلا شبہ ظالم کوتاہی کرنے والا اور اس کے نتائج کا ذمہ دار کہا جائے گا۔ لیکن اگر کسی طبیب سے رجوع کر لے تو اس پر کسی کوتاہی کا الزام نہ ہوگا، پھر اگر شہر میں دو طبیب ہوں اور دونوں کا دوا تجویز کرنے میں اختلاف ہو جائے تو اس شخص پر کوتاہی کا الزام اس وقت آئے گا جب اس نے دونوں طبیبوں میں سے بہتر طبیب کی مخالفت کی ہو اور ایک عام آدمی طبیبوں کی مہارت کا علم متواتر خبروں سے حاصل کرتا ہے یا اس طرح اندازہ لگاتا ہے کہ کم علم طبیب اس کی بات مانتے اور اسے مقدم قرار دیتے ہوں۔ (صٓ ۱۴۴)

ازالہ | تقی صاحب لکھتے ہیں :۔

"اگر کسی طبیب سے رجوع کرے" یہی ہم کہتے ہیں کہ جاہل کسی عالم سے رجوع کر کے مسئلہ معلوم کرے۔ کسی طبیب میں لفظ "کسی" نے طبیب کو مخصوص نہیں کیا لہذا جاہل بھی سوال کرتے وقت کسی عالم کو مخصوص نہ کرے۔ گویا لفظ "کسی" نے تقلید شخصی کے پرخچے اڑا دئے۔

پھر تقی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر دو طبیب ہوں تو بہتر کی مخالفت نہ کرے۔

یہ " دو " کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ تقلید شخصی ملیا میٹ ہو گئی۔
پھر تقی صاحب لکھتے ہیں کہ طبیبوں کی مہارت کا علم متواتر خبروں سے ہو سکتا ہے۔ متواتر خبروں سے متعدد طبیبوں کی مہارت سننے میں آتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ یہی کر سکتا ہے کہ جس کسی طبیب سے چاہے رجوع کرے اسی طرح مسائل میں وہ جس عالم کی طرف چاہے رجوع کرے، خواہ امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع کرے خواہ امام مالک کی طرف۔ کیا بیمار پر اور جاہل پر کوئی پابندی ہونی چاہیئے۔ تقی صاحب آپ کی مثال سے تقلید شخصی ثابت نہیں ہوئی اگر آپ ایک طبیب سے رجوع کرنے کی پابندی لگا دیں تو پھر آپ ایک عالم کی قید بھی لگا سکتے ہیں۔ تقی صاحب ایسی مثالیں دینے سے کیا فائدہ آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ان چار اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا اگر وہ ایسی بات بھی کہے جو ہمارے قول کے خلاف ہو پھر بھی اسی کی بات ماننا۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا۔
پھر تقی صاحب نے کسی طبیب کی مہارت کا علم حاصل کرنے کا ایک اور ذریعہ بتایا وہ یہ کہ کم علم طبیب اس کی بات مانتے ہوں۔
تقی صاحب اس مثال کی رو سے ہمیں بتائیے کہ ان چاروں اماموں سے وہ کون سے تین کم علم امام ہیں جو چوتھے کی بات مانتے ہیں، یقیناً کوئی نہیں تو پھر ہم کیسے مان لیں کہ فلاں امام ہی ماہر فن ہے۔ ان چاروں کو چھوڑ دیجئے، ان کے ہم عصر محدثین (یعنی جو مقلد نہیں) میں ہمیں ایسے محدث بتائیے جو ان چاروں میں سے کسی ایک امام کو اپنا منتہیٰ مانتے ہوں اور ان کی ہر بات حرفِ آخر سمجھتے ہوں۔ یہ بات بھی آپ کو نہیں ملے گی، حتیٰ کہ خود شاگرد تک استاد کی بات نہیں مانتے تھے۔ امام غزالی جن کے حوالے سے آپ نے یہ مثال دی

ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے استاد سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کیا۔ فقہ کی کتابیں مثلاً ہدایہ وغیرہ بھی ان کے اختلاف کی گواہ ہیں۔ غرض یہ کہ تقی صاحب کی مثال سے تقلید شخصی ثابت نہیں ہوتی۔

غلط فہمی اس کے بعد تقی صاحب امام غزالی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"لہٰذا وہ جس عالم کو بہ گمانِ غالب افضل پائے اس کے لئے اپنی خواہشاتِ نفسانی کی بنیاد پر اس کی مخالفت درست نہیں"۔ (ص ۱۳۵)

ازالہ تقی صاحب بالکل صحیح ہے خواہشات نفسانی کی بنیاد پر مخالفت قبیح فعل ہے لیکن ہم قرآن مجید اور حدیث کی بنیاد پر مخالفت کرتے ہیں۔ اس میں کیا برائی ہے؟

غلط فہمی کسی شخص کا فقیہ یا مجتہد نہ ہونا کوئی عیب نہیں ہے اور نہ آدمی کی بڑائی اور افضلیت کے لئے اس کا فقیہ اور مجتہد ہونا ضروری ہے۔ (ص ۱۳۵)

ازالہ تقی صاحب آپ نے یہ تو عجیب ہی بات کہی۔ فقیہ نہ ہونا کوئی عیب نہیں۔ بہت خوب! یہ بھی خوب کہا کہ بڑائی کے لئے فقیہ ہونا ضروری نہیں، بہرحال آپ جو چاہیں کہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں:۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (صحیح بخاری) جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔ عالم کی فضیلت جاہل پر قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن تقی صاحب کہتے ہیں یہ تو افضلیت کی چیز ہی نہیں۔

غلط فہمی قرآن کریم نے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ فرمایا ہے

اَعْلَمُکُمْ یا اَفْقَہُکُمْ نہیں فرمایا (ص ۱۳۵)

ازالہ تقی صاحب یہ تو صحیح ہے کہ بزرگی کا معیار تقویٰ ہے۔ لیکن تقویٰ کی بنیاد علم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے علماء ہیں۔ جب علم تقویٰ کی بنیاد ہوا تو پھر بزرگی کی اصل تو علم ہی ہوا۔ تقی صاحب کہتے ہیں علم بزرگی کی چیز ہی نہیں۔

غلط فہمی لہٰذا صحابہ کرامؓ کے عہد میں تقلید کی جو مثالیں اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں ان کو اس بناء پر ماننے میں تأمل کرنا کوئی صحیح طرز عمل نہیں کہ ان کو تسلیم کرنے سے (معاذ اللہ) صحابہ کرام رضؓ کی شان میں کوئی عیب لازم آجائیگا (ص ۱۳۸)

ازالہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تقلید شخصی نہیں تھی، اگر تھی تو بتائیے کہ وہ کونسا امام ہے جس کی تقلید صحابی کرتے تھے کیا اب بھی اس کی تقلید ہو سکتی ہے۔ اس کو امامت سے کس نے معزول کیا۔ رہا یہ سوال کہ ان کا مذہب مدوّن نہیں تو یہ بڑی عجیب بات ہے کہ صحابہ کرام کے امام کا تو مذہب مدوّن نہ ہو، ضائع کر دیا گیا ہو اور ایک امتی کے دین کو مدوّن کیا گیا ہو۔ کم از کم اس زمانہ کے مسلموں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔

غلط فہمی جس شخص نے خدا رسولؐ کے احکام کی کھلم کھلا نافرمانی پر کمر باندھ لی ہو اور گناہ کو گناہ سمجھنے کے باوجود اس کے ارتکاب پر مصر ہو اس کی خواہش پرستی کا علاج نہ تو تقلید میں ہے نہ ترکِ تقلید میں ہے۔ (ص ۱۳۹)

ازالہ تقی صاحب نے بالکل صحیح فرمایا ہوا پرستی کا علاج کہیں نہیں۔ اگر آدمی نیک نیت ہو تو قرآن مجید اور حدیث میں اس کی ہوا پرستی کا علاج ہے لیکن تقلید میں نہیں۔ تقلید سے تو دار الحرب میں حربی سے سود لینے اور اسی

قسم کے دوسرے مسائل کے جواز کے فتوے مل جائیں گے، اگر تقی صاحب فرمائیں گے تو ہم کتب فقہ کا وہ سارا مواد پیش کر دیں گے جو ہوا پرستی کے لئے ممدو معاون ہے۔ ہوا پرست لوگ اگر قرآن مجید اور حدیث پیش بھی کرتے ہیں تو توڑ مروڑ کر لیکن قرآن مجید اور حدیث کے معانی کے تعین کے لئے وہ ان ہی فقہاء کے حوالے دے کر دوسروں کو ساکت کرتے ہیں۔ نہ یہ فتوے ہوتے نہ ہوا پرستی پھیلتی۔

غلط فہمی | جب تک عالم اسلام میں تقلید شخصی کا عام رواج رہا اس وقت تک ان اباحیت پسندوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔ (ص ۱۴۰)

ازالہ | اباحت پسند ملحد تو اب پیدا ہوئے لیکن کتب فقہ نے تو ان ملحدین کے لئے صدیوں پہلے راستہ ہموار کر دیا۔ مزید برآں سوال ملحدین کا نہیں مؤمنین کا ہے۔ کیا مؤمن ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص ہوا پرستی کے لئے راستے تلاش کرتا ہے؟ اگر کوئی شخص اب ایسا کرے گا تو شاید اسے کتب فقہ ہی کے زیر سایہ پناہ ملے گی۔

غلط فہمی | چنانچہ علماء احناف نے انہی وجوہ سے بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کا قول چھوڑ دیا ہے، مثلاً استیجار علی تعلیم القرآن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناجائز تھا، لیکن زمانے کے تغیّر کی وجہ سے بعد کے فقہاء حنفیہ نے اسے جائز قرار دیا۔ (ص ۱۴۱)

ازالہ | کیا شریعت الٰہیہ میں بھی اس قسم کا تغیّر ہوتا رہتا ہے، کیا وہ کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں ناجائز تھے بعد میں اختیاری حالت میں جائز ہو سکتے ہیں۔ غور کیجئے کہ جو تقلیدی مسائل تبدیل ہوتے رہیں وہ کس طرح شریعت اسلامیہ کہے جا سکتے ہیں، تقی صاحب کی عبارت سے

ہی معلوم ہوگیا کہ فقہاء کے فتوے غلط ہوں یا صحیح وقتی تھے۔ انہیں قانون کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ افسوس کہ مقلدین نے انہیں قانون سمجھا۔ زمانہ کے تغیر سے جو قانون بدل جائے وہ ابدی قانون نہیں ہوسکتا لہذا اس سے کسی وقت بھی چمٹے رہنا سراسر شرک فی الدین ہے۔

غلط فہمی اس طریق کار سے واضح رہے کہ تقلید شخصی مسلمانوں کی کسی بھی اجتماعی ضرورت کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ تقلید کے دائرے میں رہتے ہوئے مذکورہ طریق کار کے تحت نہایت حسن وخوبی اور حزم واحتیاط کے ساتھ مسلمانوں کے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ (ص ۱۴۱)

ازالہ تقی صاحب وقتی ضرورت کے لحاظ سے اپنے مذہب کو چھوڑ دینا تو تقلید شخصی سے دستبردار ہونا ہے، اب اگر آپ تقلید شخصی سے دست بردار ہوگئے ہیں تو ہم آپ سے مزید کیا کہیں، ہمارا منشا بھی یہی ہے۔

غلط فہمی ایک اعتراض خاص طور پر حنفیہ پر کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ حنفیہ جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ اکثر ضعیف ہیں لیکن یہ اعتراض درحقیقت تعصب کی پیداوار ہے (ص ۱۴۲)

ازالہ یہ دعویٰ قطعاً صحیح نہیں کہ حنفی مذہب کے تمام مسائل صحیح حدیث پر مبنی ہیں۔ جن کتابوں کا انہوں نے حوالہ دیا ہے ہم ان ہی میں سے ایک کتاب کے حوالے سے ایک مثال آپ کو بتاتے ہیں۔ حنفی مذہب میں ایک درہم سے کم نجاست غلیظہ معاف ہے۔ زیلعی لکھتے ہیں: حدیث لا صحابنا فی تقدیر النجاسۃ المغلظۃ بالدرھم اخرجہ الدارقطنی فی سننہ عن روح بن غطیف عن الزھری عن ابن سلمۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تعاد الصلوٰۃ

من قدر الدرهم من الدم وفی لفظ اذاکان فی الثوب قدر الدرهم من الدم غسل الثوب واعیدت الصلوٰۃ انتہٰی قال البخاری : حدیث باطل وروح ھذا منکر الحدیث وقال ابن حبان ھذا احدیث موضوع لاشک فیہ لم یقلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اخترعہ اھل الکوفۃ (نصب الرایہ جلد اوّل ص ۲۱۲) تقی صاحب جس کتاب کا آپ نے حوالہ دیا تھا یہ ہم نے اسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ زیلعی نے اس حدیث کے جھوٹی ہونے کا تو بیان کیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں بتایا کہ اس کی کوئی سند صحیح بھی ہے اور بتائیں بھی کہاں سے کہ کوئی حدیث ہے ہی نہیں۔ تقی صاحب آپ نے تو ضعیف کے دفعیہ کے لئے ان کتابوں کا حوالہ دیا تھا، ہم نے ضعیف نہیں بلکہ ایسی موضوع حدیث بنا دی ہے جس کو آپ نے اپنے مسئلہ کی بنیاد بنایا ہے۔ کیا اس مسئلہ کا دفاع آپ کر سکتے ہیں؟ ہم نے صرف ایک مثال دی ہے ورنہ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن کتابوں کا آپ نے حوالہ دیا ہے ایسی مثالیں ان ہی میں مل جائیں گی۔

غلط فہمی امام ابو حنیفہؒ عموماً احادیث میں تطبیق کی کوشش فرماتے ہیں اور حتی الامکان ہر حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ص ۱۴۴)

ازالہ رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی احادیث بڑی کثرت سے ہیں اور انتہائی صحت کے ساتھ مروی ہیں۔ کیا حنفی مذہب میں انہیں مانا جاتا ہے۔ کیا حنفی تطبیق کر کے دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ تقی صاحب آپ کی اس تحریر سے بڑی غلط فہمی پیدا ہو گی لوگ سمجھیں گے کہ واقعی ایسا ہوتا ہے حالانکہ متعدد مقامات پر صحیح حدیث کو ترک کر دیا گیا ہے اور

ضعیف بلکہ موضوع کو مانا گیا ہے۔ بلکہ بعض مواقع پر محض قیاس سے صحیح احادیث کو نہیں مانا گیا۔ تقی صاحب اختصار ملحوظ ہے ورنہ ہم بتلاتے کہ ایسا کہاں کہاں ہوا ہے۔ بہرحال اس عنوان پر کافی لکھا جاچکا ہے۔ آپ جس کتاب کا حوالہ بعض جگہ دے آئے ہیں اس کو دیکھ لیں یعنی اعلام الموقعین ملاحظہ فرمائیں۔

غلط فہمی احادیث کی تصحیح و تضعیف بھی ایک اجتہادی مسئلہ ہے (ص ۱۴۲)

ازالہ تقی صاحب کو دھوکا ہوا ہے اور دوسرے بھی اس اعتبار سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ تصحیح و تضعیف اجتہادی نہیں بلکہ اس کا دارومدار ایک مکمل فن پر ہے۔ تقی صاحب فن حدیث کی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ مزید برآں صادق آدمی کی شہادت کا قبول کرنا قطعاً اجتہادی چیز نہیں۔

غلط فہمی بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حدیث امام ابوحنیفہؒ کو صحیح سند کے ساتھ پہنچی جس پر انہوں نے عمل کیا، لیکن ان کے بعد کے راویوں میں سے کوئی راوی ضعیف آگیا، اس لئے بعد کے ائمہ نے اسے چھوڑ دیا، لہٰذا امام ابوحنیفہؒ پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکتا (ص ۱۴۲)

ازالہ تقی صاحب وہ حدیث امام ابوحنیفہ سے منتقل ہو کر ضعیف راوی ہی کے پاس کیسے پہنچی؟ آپ کے ائمہ مثلاً امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر انہوں نے اس حدیث کو کیوں نہ محفوظ کر دیا۔ بلکہ خود امام ابوحنیفہ نے اسے کیوں نہ محفوظ کیا۔ مسئلہ موجود ہے اور محفوظ ہے لیکن دلیل غائب ہے یا نااہلوں کی نااہلی کا شکار ہو کر بے کار ہو گئی۔ کاش اپنے قیاسات کو جمع کرنے کی بجائے یہ لوگ احادیث کو جمع کر دیتے تو کیوں وہ ضعیف راویوں کے ہاتھوں ضائع ہوتی۔ امتی کے اقوال کو محفوظ کرتے رہے اور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و

افعال کو ضائع کرتے رہے۔

غلط فہمی ان دونوں روایتوں میں سے پہلی روایت ضعیف ہے اور دوسری صحیح ہے، لیکن امام ترمذی جیسے محدث نے تعامل صحابہ رض کی وجہ سے پہلی روایت کو اس کے ضعف کے باوجود ترجیح دی ہے (ص۱۴۵)

ازالہ ترمذی دیکھئے۔ امام ترمذی نے ضعیف روایت کو ترجیح نہیں دی بلکہ انہوں نے یزید بن ہارون کا ایک قول نقل کیا ہے اسکو آپ امام ترمذی کی طرف سے ترجیح قرار دے رہے ہیں۔ مزید برآں حضرت زینب کے بغیر تجدید نکاح کے حضرت ابوالعاص کو دیدینے کے سلسلہ میں جو حدیث ہے انہوں نے اس پر بھی جرح کی ہے۔ تقی صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے صحیح کہا، نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں روایتوں پر کلام ہے لہذا یزید بن ہارون نے ان میں سے ایک کو ترجیح دی یہ نہیں کہ ضعیف کو صحیح پر ترجیح دی۔

غلط فہمی یہ چند اصولی باتیں ذہن میں رکھ کر حنفیہ کے دلائل پر غور کیا جائیگا تو انشاء اللہ یہ غلط فہمی دور ہو جائیگی کہ حنفیہؒ کے مستدلات ضعیف ہیں یا وہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں (ص۱۴۸)

ازالہ حدیث مصرات صحیح بخاری میں ہے اور اسی کے مطابق حضرت ابن مسعودؓ کا فتویٰ بھی صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن آپ کا عمل نہ حدیث کے مطابق ہے نہ حضرت ابن مسعودؓ کے قول کے مطابق۔ آپ کے مسئلہ کی بنیاد قیاس پر ہے پھر بھی دعویٰ ہے کہ ہمارا عمل حدیث پر ہے اور یہ کہ ہمارے مذہب کی بنیاد حضرت ابن مسعودؓ کے اقوال وافعال پر ہے۔

تقی صاحب ایک دو مثالیں دیکر آپ لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کریں۔ دو ایک مثالیں تو پرویزی یا قادیانی بھی حدیث کی مطابقت میں دے سکتے ہیں، لیکن کلی مطابقت کا ثبوت نہ آپ دے سکتے ہیں اور نہ پرویزی اور قادیانی۔

غلط فہمی حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ، یہ بذات خود حنفی نہیں

ہیں لیکن انہوں نے ایسے لوگوں کی سخت تردید کی ہے جو امام ابوحنیفہؒ یا ان کے فقہی مذہب پر مذکورہ اعتراضات کرتے ہیں بلکہ "المیزان الکبریٰ" میں کئی فصلیں امام ابوحنیفہ کے دفاع کے لئے قائم فرمائی ہیں۔ (ص ۱۴۸)

ازالہ امام ابوحنیفہ کا دفاع تو ہم بھی کرتے ہیں ان کی عزت بھی کرتے ہیں لیکن ان کی طرف منسوب کردہ مذہب کو اسلام نہیں سمجھتے۔ ہمارا اعتراض کسی امام پر نہیں بلکہ تقلید اور مقلدین پر ہے۔

غلط فہمی بحمداللہ میں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کا تتبع کیا ہے اور اس کو احتیاط اور تقویٰ کے انتہائی مقام پر پایا ہے (ص ۱۵۱)

ازالہ ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مقام ایسا ہی ہو جیسا کہ عبدالوہاب شعرانی لکھ رہے ہیں لیکن موجودہ حنفی مذہب ایسا نہیں ہے مثلاً نابالغ لڑکی یا مردہ عورت یا جانور سے وطی کرے تو غسل فرض نہیں ہوتا جبتک انزال نہ ہو۔ گویا محض وطی کرنے سے غسل فرض نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں کونسی احتیاط و تقویٰ ہے۔ جبکہ بیویوں سے وطی کرنے پر تو محض وطی کرنے ہی سے غسل فرض ہو جاتا ہے تو ناجائز اور قبیح فعل پر تو اور بھی زیادہ ضروری تھا کہ غسل فرض ہوتا۔

غلط فہمی امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث میں "کتاب الآثار" اس وقت تالیف فرمائی جبکہ حدیث کی قدیم ترین مروجہ کتابیں مثلاً موطا امام مالکؒ، مصنف عبدالرزاقؒ اور مصنف ابن ابی شیبہؒ وغیرہ بھی وجود میں نہیں آئی تھیں۔ (ص ۱۵۳)

ازالہ امام ابوحنیفہ کی یہ کتاب کہاں گئی، افسوس کہ احادیث کو تو محفوظ نہیں کیا گیا امام ابوحنیفہ کے اقوال کو محفوظ کیا گیا۔ یہ شخصیت پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔

غلط فہمی تشہد میں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بہت سی احادیث سے ثابت ہے لیکن بعض لوگوں نے اس سنت سے محض اس

بنا پر انکار کر دیا کہ امام ابو حنیفہؒ سے اسکے بارے میں کوئی قول منقول نہیں (ص۱۵۶۔ص۱۵۷)

ازالہ تقی صاحب اگر واقعی آپ تقلید جامد کو برا سمجھتے ہیں تو کیوں نہ جلسہ بین السجدتین میں انگلی سے اشارہ کرنا شروع کر دیں (رواہ احمد عن وائل)

غلط فہمی بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں آئمہ کے درمیان افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے، جائز و ناجائز کا یا حلال و حرام کا اختلاف نہیں، مثلاً نماز میں رکوع کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہیں؟ آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے؟ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں یا ناف پر؟ ان تمام مسائل میں آئمۂ مجتہدین کا اختلاف محض افضلیت میں ہے ورنہ یہ تمام طریقے جائز ہیں (ص۱۵۸)

ازالہ ہم نے تو کسی فقہ کی کتاب میں نہیں دیکھا کہ اس طرح لکھا ہو کہ "رفع یدین کرے یا نہ کرے دونوں جائز ہیں" "البتہ نہ کرنا افضل ہے" اگر آئندہ آپ ایسا لکھوا دیں تو غنیمت ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضمانت دیں کہ وہ کتاب قدوری ہدایہ، شرح وقایہ وغیرہ کی طرح کتب فقہ میں شمار کی جائے گی۔

غلط فہمی آئمہ مجتہدین پر شریعت سازی یا ان کے مقلدوں پر شرک و کفر کے الزامات عائد کرنا انتہائی خطرناک طرز عمل ہے (ص۱۵۹)

ازالہ آئمۂ مجتہدین کی تو ہم بات نہیں کرتے لیکن ہاں مقلدین نے دل کھول کر شریعت سازی کی ہے۔ کتب فتاویٰ مثلاً فتاویٰ عالمگیری، یہ کیا ہیں؟ کتب فقہ میں بھی شریعت سازی کے نمونے جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ علامہ ابو زہرہ لکھتے ہیں: لیکن تیسری صدی کے بعد ایسے فقہاء عالم وجود میں آئے جو تفریعی مسائل میں الجھ کر رہ گئے۔ ان کے ذہن خلاق نے ایسی ایسی انہونی صورتیں گھڑ لیں جو وقوع تو کیا ان کے وقوع کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور عقل ان کے وجود کو محال سمجھتی ہے (حیات امام ابو حنیفہ ص۴۰۶ از محمد ابو زہرہ)

غلط فہمی ایسے حضرات کے لئے مشہور اہل حدیث عالم علاّمہ نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جو ان کے لئے بہترین مشعل راہ ہے (ص۱۵۹)

ازالہ نواب صاحب کا لکھنا اور آپ کا لکھنا ہمارے لئے برابر ہے۔ ہم تو اس دین پر ایمان لائے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل ہو گیا تھا۔ یہ دین اس وقت بھی قرآن و حدیث کے اندر مکمل تھا اور آج بھی ان ہی دونوں میں مکمل موجود ہے۔ اگر قرآن و حدیث سے آپ کوئی چیز پیش کریں گے تو ہم اس کے ماننے پر مجبور ہیں اس کے علاوہ کوئی چیز آپ پیش کریں گے تو وہ ہمارے لئے حجت نہیں خواہ وہ کسی نے کہی ہو۔ ہم مسلم ہیں ہمارا تعلق کسی فرقہ سے نہیں۔ ہم جماعت المسلمین کے عالم کے قول و فعل کو بھی حجت نہیں سمجھتے تو کسی فرقہ کے عالم کا قول ہمارے لئے کیسے حجت ہو سکتا ہے۔

غلط فہمی نیز اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرف سے فتنوں کی یورش اور مصائب کی یلغار ہے، ہمارے لئے اس سے زیادہ تباہ کن چیز کوئی نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ان فروعی مسائل پر دست و گریباں ہوں (ص۱۶۰)

ازالہ تقی صاحب شریعت تو حرام کام تک جانے والے راستوں کا بھی سدّ باب کرتی ہے، اسلام کے نام لیواؤں میں جو کچھ ہوا وہ تفرقہ کی وجہ سے ہوا۔ آپ تفرقہ کا دروازہ کیوں نہیں بند کرتے، تفرقہ کا دروازہ آپ بند کر دیں گے تو یہ جھگڑے سب ختم ہو جائیں گے لیکن آپ چاہتے ہیں کہ تفرقہ باقی رہے اور جھگڑے ختم ہو جائیں۔ یہ ناممکن ہے۔ جب تک جھگڑے کا

سب باقی رہے گا جھگڑے ہوتے رہیں گے۔ اٹھئے فرقہ بندی ختم کیجئے، نہ کوئی دیوبندی باقی رہے نہ بریلوی، نہ شافعی باقی رہے نہ حنفی، نہ مالکی باقی رہے اور نہ اہلحدیث۔ سب مل کر مسلم بن جائیں اور اسی چشمۂ نور ہدایت سے راہ نمائی حاصل کریں جسے اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر کسی موقع پر انفرادی اختلاف ہو جائے تو اسے فرقہ بندی کی شکل نہ دیں بلکہ دونوں اختلافوں کو کالعدم قرار دے کر مسلمین کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیں کہ وہ اس اختلافی مسئلہ میں بجائے تقلید کرنے کے صحیح حل تک پہنچنے کی براہ راست کوشش کرتے رہیں۔

خلاصہ

تقی صاحب کی کتاب کا جواب ختم ہوا۔ ہم نے ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے بہت ہی مختصر انداز میں جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اختلافات کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے پھیلانے سے اجتناب کیا ہے۔ ہماری عدیم الفرصتی بھی مانع رہی کہ ہم جوابات میں طول دیتے، مزید برآں ہمارا تبلیغی رنگ اب اثباتی زیادہ ہے، منفی بالکل نہیں ہے یا ہے تو بہت کم۔ تقی صاحب کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہماری کتاب "التحقیق" دیکھی ہے لیکن سوائے ایک بات کے ہماری کسی بات کا جواب نہیں دیا (اس ایک بات کے سلسلہ میں ہم نے اپنی معروضات اس کتاب میں پیش کر دی ہیں) اس سے پہلے ہم نے جو سوالات کئے تھے ان کا جواب بھی تقی صاحب نے اپنے مقالہ "تقلید کیا ہے" میں نہیں دیا تھا۔ بلکہ ہمارے سوالوں کو بدل کر جواب دئے تھے، بہر حال ہم نے ان کا بھی

جائزہ لیا تھا جو "التحقیق" میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ تقی صاحب اگر آپ واقعی تقلید جامد کو برا سمجھتے ہیں تو مندرجہ ذیل مسائل تو مان جائیے۔

(۱) مردوں اور عورتوں کی نماز کی علیحدہ علیحدہ ترکیب احادیث صحیحہ میں نہیں ہے۔ لہٰذا اسے ایک کر دیجئے۔

(۲) گردن کا مسح پشت کف سے کرنا چھوڑ دیجئے کیونکہ مسح کی یہ کیفیت کسی حدیث میں نہیں ہے۔

(۳) جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ شروع کر دیجئے۔

(۴) رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین شروع کر دیجئے کیونکہ رفع یدین صحیح ترین اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

(۵) فرض نماز کی چاروں رکعتوں میں قرأت کو فرض مانیئے۔

(۶) امام کو سکتے کرنے کا حکم دیجئے۔

(۷) سکتوں میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیجئے۔ سکتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا نہ قرآن مجید کے خلاف ہے نہ حدیث کے۔

(۸) حلالہ کو بند کرائیے یہ کس درجہ کا قبیح فعل ہے۔